کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار
ماہنامہ
اشرف الجرائد حیدرآباد
Volume:11 Issue: 10 October 2018
مدیر
مولانا محمد عبدالقوی
ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد
www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن

مساجد کی تعمیر وتقدیس ایمان کا لازمی حصہ ہے

مولانا عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِہَا ؕ اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَہُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْہَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ؕ لَہُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَہُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ (سورۃ البقرہ)

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں پر اس بات کی بندش لگادے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے، ایسے لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان مسجدوں میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے، ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور انہی کو آخرت میں زبردست عذاب ہوگا۔

تشریح: اس آیت کے دو پہلو ہیں ایک پہلو شانِ نزول سے متعلق اور دوسرا احکام سے متعلق، اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طوافِ کعبہ کی نیت سے مکۃ المکرمہ کا قصد کیا تو آپ کو مقام حدیبیہ پر روک دیا گیا، مسجد حرام جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ آخر کار مظلومانہ صلح کے بعد آپ کو واپس مدینہ منورہ جانا پڑا۔

دوسرا پہلو مساجد سے متعلق کچھ ضوابط واحکامات کا بیان ہے کہ جو شخص کسی کو مسجد میں ذکر اللہ، تلاوتِ کلامُ اللہ، اقامتِ صلوٰۃ سے روکے، اللہ نے اس کو سب سے بڑا ظلم کہا ہے، اسی طرح کوئی شخص ایسا کام کرے یا ایسا قانون بنائے جس سے مساجد ویران ہوتی ہوں یا لوگ مسجد میں آزادانہ عبادت کرنے سے گھبراتے ہوں تو ایسا شخص بھی اللہ کی نگاہ میں سب سے بڑا ظالم ہے۔

مسجد کا معنیٰ سجدہ کرنے کی جگہ، مسجد کی دینی حیثیت یہ ہے کہ جہاں وہ اللہ کا گھر ہے وہیں شعائر اللہ میں سے ہے، شعائر شعیرۃ کی جمع ہے، جس کے معنیٰ ہیں علامت، شعائر اللہ کے معنی ہوئے اللہ کی علامت اور

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہٰذا

اس کی نشانی یعنی وہ ایام، وہ جگہیں، وہ نشانیاں جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد آجائے، دل میں اس کا خوف زندہ ہوجائے، اس پر مر مٹنے کا جذبہ پیدا ہوجائے، اس کو شعائر اللہ کہا جاتا ہے، حضرت الامام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ شعائر اللہ کی تعظیم وتکریم میں فرماتے ہیں: کہ شعائر الٰہیہ سے ہماری مراد وہ ظاہری ومحسوس اموراور اشیاء ہیں جن کا تقرر اسی لیے ہوا ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں کعبہ، عرفہ، مزدلفہ، جمارِ ثلاثہ، صفا، مروہ، ماہِ رمضان، اشہر حرم، عید الفطر وعید الاضحیٰ، ایام تشریق، جمعہ، اذان، اقامت، نماز باجماعت، نمازِ عیدین، جمیع مساجد کو شعائر اللہ میں شامل فرمایا ہے۔

مساجد اللہ کے شعائر میں سے اہم شعیرہ ہیں اور اسی کو اللہ کے ساتھ خاص نسبت حاصل ہے، اور دین کے اکثر کام مسجد کے منبر ومحراب سے وابستہ ہیں، اسی لئے اس کا تقدس واحترام مسلمانوں کے ایمان کا حصہ بن گیا ہے، لہٰذا مسجد مسلمان کا مرکز دین اور دینی واسلامی فکروں کا محور ہے، جہاں سے اسلام کا دفاع ہوتا ہے، فتنوں کی سرکوبی ہوتی ہے، قال اللہ وقال الرسول کے زمزمے بلند ہوتے ہیں، عوام کو اسلامی تعلیمات سے آراستہ کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کی مرکزیت مساجد سے ہے، ان کا اتحاد واتفاق مساجد سے ہے، ان کی جمعیت کی شان مساجد سے ہے، مسلمانوں میں اسلام اور اسلامی تشخص کی بقا مساجد سے منسلک ہے اور یہی بات اسلام دشمن عناصر کو ہضم نہیں ہوتی ہے، شعائر اللہ کی بے حرمتی کرنا ان کے استخفاف کی ناپاک کوشش کرنا، ہمدردی کے عنوان سے شریعت میں مداخلت کرنا یہ ان کے روزمرہ کا کھیل اور مسلمانوں کو الجھا کر رکھنے کا زبردست کھلونا ہے۔

مساجد کی تعظیم وتعمیر نہ صرف اخلاقی فریضہ ہے بلکہ ان کے ایمان کا لازمی جز ہے، مساجد کی تخریب و بے حرمتی پر نہ کبھی اہل اسلام کی غیرت نے گوارہ کیا ہے نہ آئندہ کریں گے اور جو لوگ مساجد کی تخریب میں دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کی مسلمہ حیثیت کو ختم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں قرآنی وعدہ ہے کہ ان کے لئے اس دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی سخت عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو مساجد آباد رکھنے اور اس کے تحفظ کی جدوجہد کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دنیا کی حیثیت اور فکرِ آخرت

حضرت اقدس مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم *

حضرت مستورد بن شدادؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی مثال صرف ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر کے اندر اپنی انگلی ڈبوئے اور پھر نکال کر دیکھے کہ اس میں سمندر کا کتنا پانی لگا؟ (مشکوۃ)

حدیث بالا میں دنیا کی مثال انگلی میں لگنے والے پانی سے دی گئی ہے یعنی پوری دنیا جب سے پیدا ہوئی ہے اور جب ختم ہو جائے گی، کتنے بڑے بڑے دولت والے آئے، کیسے کیسے سرمایہ دار پیدا ہوئے، بڑی بڑی حکومتیں قائم ہوئیں ان کے علاوہ طرح طرح کی لذتیں، راحتیں، آسائشیں وغیرہ ان سب کو جمع کر دیا جائے تو ان سب کی مثال آخرت کے مقابلہ میں اس سے زیادہ نہیں ہے جتنی سمندر میں انگلی ڈال کر نکالنے کی صورت میں انگلی پر لگنے والے پانی کی حیثیت ہے۔

دنیا کی حقیقت کو واشگاف کرنے والی ایک اور روایت حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گذر بکری کے ایک مرے ہوئے بچے کے پاس سے ہوا؛ جس کے کان وغیرہ کٹے ہوئے تھے یعنی بالکل بے حیثیت تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں کون آدمی ہے جو اس بکری کے مرے ہوئے بچے کو ایک درہم میں خریدے گا؟ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم تو اس کو مفت میں بھی لینے کے لئے تیار نہیں ہیں! یہ تو کسی قیمت کا نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہے، جتنا تمہارے نزدیک یہ بکری کا بچہ حقیر ہے، لیکن ہم دن رات اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ (مشکوۃ شریف)

* مہتمم دارالعلوم دیوبند

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔

مومن کے لئے قید خانہ ہے کیوں کہ اس کا اصل ٹھکانہ تو آخرت ہے، یہاں آخرت کی تیاری کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے یہاں راحت اور آسائش حاصل کرنے کے لئے نہیں آیا ہے، جیل خانہ سے آدمی جلد از جلد نکلنا چاہتا ہے اپنی راحت کا انتظام اپنے گھر کے لئے کرتا ہے، تو مومن کا اصل وطن آخرت اور جنت ہے، اور کافر کے لئے مرنے کے بعد سختی اور عذاب ہے چونکہ وہاں اس کے لئے کوئی راحت نہیں؛ اس لئے اس کو دنیا ہی میں لذتیں اور راحتیں دی جاتی ہیں، اور اس کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے اس لئے وہ ساری لذتیں، راحتیں اور آسائشیں یہیں حاصل کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ ایک طرف دنیا کی بے ثباتی پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ چشم کشا اقوال اور دوسری طرف ہمارا طرزِ زندگی ہے۔

کیا ہم بھی اپنی دنیا کو جنت بنانے کی کوشش کررہے ہیں؟ دیکھ لیجئے! ہمارا طرز رہائش کیا ہے؟ خوش حال لوگوں کا مکان دیکھ لیجئے! ان کا لباس دیکھ لیجئے! ان کا باغ باغیچہ دیکھ لیجئے! ان کی گاڑیاں دیکھ لیجئے! کوشش یہ ہوتی ہے کہ جتنی زیادہ سے زیادہ لذتیں اور راحتیں حاصل کرسکیں حاصل کریں، گویا گھر کو جنت کا نمونہ بنالیا ہے، بولتے بھی ہیں کہ گھر جنت کا نمونہ بنا ہوا ہے، اگر جنت کا نمونہ اس معنیٰ میں ہو کہ گھر میں بڑی دینداری ہے، اللہ کی عبادت ہوتی ہے، بہت سکون ہے، سارے لوگوں کے دل آپس میں ملے ہوئے ہیں، کوئی اختلاف نہیں، کوئی جھگڑا نہیں تب تو یقیناً وہ جنت کا نمونہ ہے؛ کیوں کہ جنت وہ جگہ ہے جہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور کسی کو کسی سے کوئی مطلب نہیں ہوگا سب اپنی جگہ مطمئن ہوں گے وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ (الحجر:۴۷)

دنیا میں اگر آپس میں کوئی کدورت بھی تھی وہاں جانے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو صاف کردیں گے، لیکن اگر کوئی دنیا کو جنت اس معنیٰ میں بنا رہا ہے کہ شداد جیسی جنت ہے، قارون جیسی دولت ہے، فرعون جیسی حکومت ہے تو پھر اللہ کی پناہ، بہت ڈرنے کی بات ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی مومن کے ساتھ ایک نیکی کے بارے میں بھی ظلم نہیں فرماتے نیکی کی بنا پر اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی نوازتے ہیں اور اس کا حقیقی بدلہ اس کو آخرت میں بھی ملے گا، اور جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو جو کچھ وہ اچھا کام کرتا ہے اس کی بنا پر اس کو دنیا میں سب کچھ دے دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ جب مر کر آخرت میں پہونچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں رہے گی جس کا اس کو بدلہ ملے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں دنیا کی بے ثباتی کو راسخ فرمائے اور آخرت کی فکر اور اپنا تعلق نصیب فرمائے۔

پیش گفتار

خطیبُ الاسلام ابن حکیمُ الاسلام رحمہما اللہ

بہ قلم: مدیر

کوئی پچاس سال قبل کی بات ہے جب کہ یہ راقم السطور حفظ قرآن کے ابتدائی مراحل میں تھا، مدرسہ فیض العلوم حیدرآباد میں دارِ جدید کے پہلے مرحلے کی تعمیر ہونے والی تھی، سنگِ بنیاد کی تقریب میں شہر کے علماء وروٗساء کی بڑی تعداد جمع تھی، راقم سطور بھی مدرسے کے طلبہ واساتذہ کے ہمراہ شریکِ تقریب تھا، کیا دیکھتا ہوں کہ ناظمِ مدرسہ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ ایک نحیف وطویل اور حسین ووجیہ بزرگ کو ــــ جو لمبی شیروانی اور اسی کپڑے کی اونچی ٹوپی میں ملبوس تھے ــــ ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ لئے آرہے ہیں، راقم کی نظروں نے اب تک حضرت محی السنہؒ سے وقیع ورفیع کوئی ہستی دیکھی نہ تھی، مدرسے میں ہر طرف ان کی موجودگی میں انہی کا رُعب ودبدبہ نظر آتا تھا، ان کی قامتِ عظمت کے آگے سب خورد وپست دکھائی دیتے تھے، آج یہ کون ہستی ہے کہ حضرت محی السنہؒ خود بڑے احترام واہتمام سے اُنہیں لارہے اور ان کے دستِ مبارک سے سنگ بنیاد رکھوارہے ہیں؟ اس کا جواب زبانوں سے میرے کانوں میں یہ پہونچا کہ یہ دارالعلوم دیوبند کے عظیم المرتبت مہتمم، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ اجل حکیمُ الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ ہیں، جنہیں حضرت محی السنہؒ نے اپنے مدرسے کے سنگ بنیاد رکھنے کے واسطے منتخب کرکے مدعو فرمایا تھا۔

اس ابتدائی زیارت کے بعد پھر بار بار حضرت حکیم الاسلامؒ کی زیارت ہوتی رہی، اُن کے والد ماجد، نظام اسٹیٹ کے مفتیٔ اعظم مولانا محمد احمد صاحب دیوبندیؒ حیدرآباد ہی کے ایک قبرستان مسمیٰ "خطۂ صالحین" میں آرام فرما ہیں، انہی کی کشش اور ادائی حق کی طلب حضرت حکیم الاسلامؒ کو حیدرآباد بار بار لاتی رہی؛ مدرسہ فیض العلوم نواب محمد باقر مرحوم کی موقوفہ اراضی پر تھا، نواب صاحب کے والد ماجد فضیلت جنگ نواب عبدالباسط صاحب دارالعلوم دیوبند کے رُکنِ شوریٰ اور علماءِ دیوبند کے قدرداں تھے، اسی مناسبت سے حضرت حکیم الاسلامؒ کا قیام

اکثر اسی ڈیوڑھی میں رہتا تھا، بچپن کے باوجود اہل اللہ سے فطری محبت بلکہ والہانہ میلان کی وجہ سے اُن کی آمد پر نواب صاحب کی ڈیوڑھی میں ایک آدھ چکر لگا ہی آتا تھا، اُن کی ظاہری ومعنوی بلند قامتی، عالمانہ وقار اور فاضلانہ گفتگو، باادب وبارعب محفل، سوالات کے برجستہ جوابات، ان کے جوابات پر کبھی واہ واہ اور سبحان اللہ کے زمزمے تو کبھی تبسم ومسکراہٹوں کی لہریں، واقعی اس منظر کو دیکھ کر مجھے اُس عمر میں بھی دل لُٹا دینے کو جی چاہتا تھا۔

بات حکیم الاسلامؒ کی نکل پڑی تو بڑھتی ہی چلی جارہی ہے، کیا کروں؟ اپنے اکابر کا ذکر خیر چھڑ جاتا ہے تو زبان وقلم قابو سے باہر ہوجاتے ہیں؛ (رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ) مگر میں جلیل القدر باپ کا ذکر کرنے کے لئے قلم نہیں اُٹھایا تھا، رفیع الذکر بیٹے کا کچھ تذکرہ کرنا چاہتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ سخت ناسازئ طبیعت اور پیرانہ سالی کے باوجود حیدرآباد تشریف لائے، اُن کے ہمراہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ بھی تھے، حکیم الاسلام کے خطابات حیدرآباد کے علمی حلقوں میں بہت مقبول تھے، اُن کے خطابات ہوتے بھی ایسے ہی تھے، بلالحاظِ مسلک ومشرب جوق درجوق لوگ اُن سے استفادہ کے لئے جمع ہوتے تھے، میں نے خود اُن کے خطاب میں مشائخ طبقے کے بڑے بڑے لوگوں کو باادب اور ہمہ تن گوش دیکھا ہے، خیر! آپ کی تشریف آوری کا علماء وزعماء کو پہلے سے علم ہوگا، اسی لئے شہر کی قدیم اور تاریخی ''مکہ مسجد'' میں ایک عظیم الشان جلسۂ عام کا اعلان ہوا اور حکیم الاسلام کے خطاب کا بھی چرچہ تھا، حضرت اُس وقت نہایت ہی نحیف وضعیف تھے، اپنے والد ماجد کی زیارت سے فارغ ہو کر ''مکہ مسجد'' تشریف لائے، دوآدمیوں کی مدد سے چل پارہے تھے، نہ بیان کرنے کا انہیں علم تھا اور نہ ہی ہمت وقوت محسوس ہورہی تھی، مغرب کی نماز کے بعد کافی بڑا مجمع صحنِ مسجد میں مجتمع ومنتظر تھا، خواص خطاب کی درخواست کررہے تھے اور حضرت برابر انکار فرمارہے تھے، اسی اصرار وانکار کے بعد بالآخر حضرتؒ اسٹیج کی طرف بڑھے اور نقیہ ونحیف آواز میں پورا خطبہ مسنونہ حسبِ معمول پڑھا، پھر سورۂ اعراف کی آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ کی تلاوت فرما کر وعظ شروع فرمادیا، پہلے ہی فرمارکھا تھا کہ آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں بول سکوں گا، آدھا گھنٹا ہوجائے تو یاددہانی کرادینا، لیکن جب ان کا وعظ شروع ہوا تو سامعین تو سب کے سب چپ سادھ گوش برآواز تھے ہی حضرتؒ بھی محوِ علوم وغرقِ معارف ہوگئے، بات چل پڑی تو چلتی ہی رہی، اسی اثناء میں مسجد میں عشاء کی اذان بھی ہوئی اور جماعت بھی ہوگئی، مسجد چوں کہ بہت بڑی ہے اور جماعت بہت اندرون میں ہوتی ہے، بیان صحنِ مسجد میں ہورہا تھا، کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد حضرتؒ نے فرمایا بھئی آدھا گھنٹہ ہوجائے تو بتادینا، اتنے میں کسی نے کہا ''عشاء کی

جماعت بھی ہوگئی ہے" یہ سُنتے ہی حضرت غضبناک ہوکر منتظمین پر بگڑ پڑے اور فرمایا "یہ کیسی غلط بات ہے کہ مسجد میں نماز ہورہی تھی اور ہم بیان کررہے تھے" بس اسی پر بات ختم کردی اور اُٹھ گئے؛ مجھے خوب یاد ہے کہ مجمع جاتی ہوئی اس شخصیت کو کچھ ایسی مایوسی و ناامیدی سے تک رہے تھے جیسے کوئی پیاسے کے منھ سے پانی کا پیالہ چھین کر بھاگ رہا ہو، کیوں کہ مضمون میں دلچسپی بڑھتی جارہی تھی اور عین شباب پر پہونچا ہوا تھا کہ اچانک ختم کردیا گیا، خیر! اُن کے بعد اب نمبر اُن کے فرزندِ ارجمند خطیب الاسلامؒ کا تھا، حضرت کے جانے کے بعد جب وہ اسٹیج پر پہونچے تو ہر طرف سے مانگ تھی کہ وہ اسی مضمون کو آگے بڑھا کر تکمیل تک پہونچائیں؛ یاد ہے کہ حضرت خطیب الاسلامؒ نے خطبۂ مسنونہ کے بعد لوگوں کے مطالبے کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا تھا "لوگ مجھے والد ماجد کے مضمون کو پورا کرنے کے لئے اصرار کررہے ہیں، حالاں کہ کہاں اُن کے علوم و معارف کے خزانے اور کہاں مجھے جیسا بے بضاعت اور قلیل العلم؟ مگر اللہ کا نام لے کر میں اسی مضمون کو آگے بڑھا رہا ہوں، اگر چہ وہ مخمل پر ٹاٹ کے پیوند کے مترادف ہوگا" پھر جو انہوں نے خطابت کا دریا بہانا شروع کیا تو تین گھنٹے کس طرح نکل گئے پتہ ہی نہ چلا؛ میری عمر تو اُس وقت ان لطائف و حکم کو زیادہ سمجھنے کی متحمل نہ تھی لیکن باتیں سمجھ ضرور رہا تھا، اور دوسروں کو ـــــ جو بڑی عمر اور شعور و آگہی والے تھے ـــــ سر دھنتے اور داد پہ داد دیتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

غرض یہ پہلی ملاقات تھی حضرت خطیب الاسلام سے میری مگر جس پیش منظر اور ماحول میں ہوئی تھی اُس نے اُن کے سراپا کے ساتھ اُن کی عظمت کے انمٹ نقوش اس راقمِ آثم کے دل میں اس طرح چھوڑے کہ مٹائے نہ مٹ سکے، اگلے روز مسجد محی الدین النسا بیگم ملک پیٹ میں بعد نمازِ عشاء بھی شریک اجتماع ہوا، دینی ماحول کا پروردہ ہونے کی وجہ سے باوجود طالب علم ہونے کے بھی بہت اہتمام سے سنا، تقریباً چار پونے چار گھنٹے تک آبِ رواں کی طرح جاری اُن کا یہ بیان رات دیر گئے ختم ہوا، اختتامِ خطاب کے یہ جُملے اور بولنے والے کا منظر خوب محفوظ ہے فرمایا تھا "یہ ہے موت و حیات کا اسلامی فلسفہ! میں دنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ اس سے بہتر تحقیق کسی کے پاس ہوسکتی ہے تو وہ لاکر پیش کرے"۔

میرے نانا حضرت مولانا سید محمد صاحب ذکی القاسمی بھی اس بیان میں موجود تھے صبح ہم لوگوں کے سامنے حضرت خطیبُ الاسلام کے تعلیمی دور کے واقعات بہت تفصیل سے سُنائے مگر دلچسپی سے نہ سُننے کی وجہ اب زیادہ یاد نہیں اور جو یاد ہیں اُن کا بیان کرنا احتیاط کا تقاضہ نہیں۔

اس کے بعد حضرت خطیب الاسلامؒ حیدرآباد متعدد مرتبہ تشریف لائے اور بہت مؤثر پروگرام ہوتے رہے، لیکن مسلمانوں کی بدنصیبی کہیئے یا شامتِ اعمال کہ جلد ہی دارالعلوم دیوبند کا قضیۂ نامرضیہ حاسدین و معاندین کی

سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے وقوع پذیر ہوا، جس نے علماء دیوبند کی شاندار و باوقار جماعت کو اختلاف کی تلوار سے کاٹ کر دو دھڑوں میں بانٹ دیا؛ اُس کا تذکرہ کم از کم راقم عاجز کے لئے ناگفتہ بہ ہے جس کے قلب و دماغ دونوں دھڑوں کے بزرگوں کی تعظیم و محبت سے بھرپور و معمور ہیں، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ میں اس قضیے میں لب کُشائی کا اہل بھی نہیں، لیکن اتنا ضرور دیکھا، سُنا اور سمجھ سکا ہوں کہ اس قضیے نے مِلّت کو بہت نقصان پہنچایا اور اپنے اپنے ممدوحوں کی ترجیح اور وابستگی و طرف داری کے فطری جذبات عوام الناس کے حق میں سمِ قاتل اور زہر ہالک ثابت ہوئے، ایک وقفہ ایسا گذرا کہ یہ وابستگی و طرف داری عام لوگوں کو اکابرِ ملت سے آزادانہ استفادے میں حائل رہا؛ پھر خدا خدا کر کے وہ تلخیاں اور سختیاں سرد خانے کے حوالے ہوئیں قضایا فراموش ہوئے دوریاں قرب و نزدیکی میں بدل گئیں، فللہ الحمد تاہم اتفاق و یک جہتی اور قُرب و نزدیکی کی خبروں سے کان سرور پاتے اور ان مناظر سے آنکھیں ٹھنڈی ہو پاتیں اچانک شماتتِ اعداء سے جمعیۃ علماء ہند کے درمیان وہ خلیج پیدا ہوگئی جس نے نہ پٹنے کی گویا قسم کھا رکھی ہے، قضیۂ دار العلوم کا نقصان خواص تک محدود تھا مگر مسئلہ جمعیۃ کا خسارہ پوری ملتِ اسلامیۂ ہند بھگت رہی ہے اور نہ جانے کب تک بُھگتے گی؛ اب جب کہ غالب نامراد کی توقُّع ہی اُٹھ گئی ہے تو کسی سے کیا گلہ کیا جا سکتا ہے؟ کان امر اللہ قدرا مقدورا کا اعتقاد صبر کے لئے کافی ہے۔ خیر! بات کسی اور طرف نکل گئی، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کی اس قضیے کے بعد بھی حیدرآباد تشریف آوری ہوتی رہی مگر بہت کم ہوگئی تھی۔

راقمِ سطور کے جاننے والے جانتے ہیں کہ میری تعلیم بہ عوارضِ لاحقہ وقفے وقفے سے ہوئی، دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی سعادت بھی مجھے دار العلوم حیدرآباد سے سن ۔۔۔ میں حاصل ہوئی؛ اور سعادتِ مزید یہ کہ اس سال دار العلوم حیدرآباد میں ختمِ بخاری شریف کے لئے حضرت خطیبُ الاسلامؒ ہی تشریف لائے، دار العلوم کی وسیع مسجد کے اندر بخاری شریف کی آخری حدیث پر تفصیلی خطاب ہوا، پھر حضرتؒ نے اپنی تمام سندوں میں طلبۂ کرام کو روایتِ حدیث کی اجازت عطا فرمائی جو راقم کے نصیبے میں بھی آئی وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔ اس کے بعد دیوبند حاضری کے مواقع سے وقتاً فوقتاً حضرتؒ سے ملاقات اور کبھی صرف شرفِ زیارت حاصل ہوتا رہا۔

حضرت خطیبُ الاسلامؒ کا کمال یہ ہے کہ پیرانہ سالی، ضعف و نقاہت اور متعدد امراض کے باوجود حضرتؒ دین کے تقاضوں پر ہمیشہ لبیک کہنے کے لئے تیار رہتے تھے، خواہ مقام پر ہوں یا سفر میں، بعض دفعہ گھنٹوں بیٹھے رہتے اور وقت آنے پر سامعین سے مؤثر و سرگرم خطاب فرماتے تھے، چھوٹے بڑے، امیر و غریب

بعید وقریب سے انہیں کوئی مطلب نہ تھا، دین وملت کی خدمت کے لئے ہر وقت حاضر تھے، جواں سالی سے خطابت کا آغاز فرمایا اور تا بہ اختتامِ حیات اس خدمت کو جاری رکھا، جس نے بھی آپ کو سب سے پہلے ''خطیبُ الاسلام'' کہا بجا طور پر کہا؛ واضح رہے کہ حضرت ؒ محض ایک خطیب ہی نہ تھے، اچھے قلم کار و مضمون نگار بھی تھے، کئی کتب کے مصنف بھی تھے، بہترین مُدرس و معلم بھی تھے، ہزاروں علماء کے استاد بھی تھے، دار العلوم وقف کے مہتمم اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے رُکنِ رکین بھی تھے، ہزاروں مریدین کے شیخ بھی تھے، اُن کا صحیح تعارف تو وہی کرا سکتے ہیں جنھوں نے اُنہیں قریب سے دیکھا پرکھا اور استفادہ کیا ہو؛ مجھ جیسے کی کیا بساط کہ ان عالی مرتبت اور جلیل القدر ہستیوں پر کچھ لکھ سکا ہوں، مجھ پر اُن کی طرف سے اجازتِ حدیث کا عظیم احسان ہے اس لئے جی چاہتا تھا کہ کچھ نہ کچھ لکھوں اور انگلی کٹا کر ہی سہی شہیدوں میں نام لکھواؤں مگر حالات سے قریبی واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے جرأت نہیں کر پا رہا تھا، اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے دوست حافظ عبید الرحمٰن صاحب زیدرشدہٗ مدیر ماہنامہ پیغامِ رب کو کہ انہوں نے بہ اصرار و تکرار مجھے قلم اُٹھانے پر مجبور کیا، چناں چہ آج بعد نمازِ عشاء قلم اُٹھایا اور بہ یک مجلس یہ چند سطور جس طرح بن پڑیں سپردِ قرطاس کر دیا یہ کہتے ہوئے کہ

سپردم بہ تو مایۂ خویش را
تو دانی حسابِ کم وبیش را

حق تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ اور جمیع اکابرین رحمہم اللہ کی مغفرت فرمائے درجات کو بلند فرمائے اور اپنے قربِ خاص میں مقام عطا فرمائے۔ آمین وصلی اللہ علی سیدنا و حبیبنا و قرۃ اعیننا وبارک وسلم

سوچ ماضی کو نہ مستقبل کو
ٹھیک رکھ بس تو اپنے حال کو
کیا ہوا، کیا ہوگا اس غم میں نہ پڑ
پاس لا اپنے نہ اس جنجال کو

(حضرت مجذوبؒ)

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

☆حضرت فاطمہ بنت اسدؓ

آپ کا اسم گرامی فاطمہ ہے، یہ اسد بن ہاشم کی بیٹی اور عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھتیجی ہیں، ان کا نکاح ابوطالب بن عبدالمطلب سے ہوا، جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تولد ہوئے۔

قبولیت اسلام

آغاز اسلام میں خاندانِ بنی ہاشم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوب معاونت اور دست گیری کی، ان میں اکثر و بیشتر مسلمان ہو گئے، حضرت فاطمہؓ بھی انہیں میں سے ہیں، اگر چہ ان کے شوہر نے اسلام قبول نہیں کیا، تاہم وہ اور ان کے کچھ بچوں نے اسلام قبول کیا، جب ابوطالب کا انتقال ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دست و بازو بنیں رہیں

ہجرت اور عام حالات

جب مسلمان مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے لگے تو یہ بھی مدینہ ہجرت کر آئیں، یہیں حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے ہوا، حضرت علیؓ نے اپنی والدہ (حضرت فاطمہ بنت اسدؓ) سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی آتی ہیں، میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور وہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔ (اسد الغابہ: ۵/ ۵۱۷)

وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حین حیات ہی وفات پا گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر کفن دیا اور قبر میں اتر کر لیٹ گئے، لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے احسان اور حسنِ سلوک نہیں کیا، اس بناء پر میں نے ان کو قمیص پہنایا کہ جنت میں ان کو حلہ (جوڑا) ملے اور قبر میں لیٹ گیا کہ شدائد قبر میں کمی واقع ہو۔ (اسد الغابۃ: ۵/ ۵۱۷)

---

*رفیق تصنیف دارالدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

اخلاق وعادات

اصابہ میں ہے: ’’کانت امرأۃ صالحۃ وکان النبی ﷺ یزورھا ویقیل فی بیتھا‘‘ ’’وہ نہایت نیک خاتون تھیں، آنحضرت ﷺ ان کی زیارت کو تشریف لے جاتے اور ان کے گھر میں آرام فرماتے‘‘ (اصابہ:۸/۱۶۰)۔

☆حضرت ام الفضلؓ

نام ونسب: آپ کا نام نامی لبابہ، اور کنیت ام الفضل، اور لقب کبریٰ ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے: لبابہ الکبریٰ بنت الحارث ابن حزن بن جبیر بن الہرام بن رویبہ بن عبداللہ بن بلال بن عامر بن صعصعہ؛ والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا اور قبیلہ کنانہ سے تعلق رکھتی تھیں، لبابہ کی حقیقی اور اخیافی کئی بہنیں تھیں، جو خاندان بنی ہاشم اور قریش کے دوسرے معزز گھرانوں میں بیاہی گئیں تھیں، جن میں حضرت میمونہؓ حضرت نبی کریم ﷺ سے، لبابہ حضرت عباسؓ (رسول اللہ ﷺ کے چچا) سے، سلمیٰ حضرت حمزہؓ (رسول اللہ ﷺ کے چچا) سے، اور اسماء حضرت جعفر بن طیارؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) سے منسوب تھیں، اسی بناء پر وہ اپنی والدہ (ہند بنت عوف) کی نسبت سے مشہور ہوئیں کہ سسرالی قرابت میں ان کی کوئی نظیر نہ تھی۔

نکاح اور اسلام

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے چچا سے ان کا نکاح ہوا، ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، ابن سعد کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام قبول کیا تھا، باقی اور عورتیں ان کے بعد ایمان لائیں، اس لحاظ سے ان کے ایمان لانے کا زمانہ بہت قدیم ہو جاتا ہے۔

عام حالات

ام الفضل رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج بھی کیا ہے، چنانچہ حجۃ الوداع میں جب لوگوں کو عرفہ کے دن آنحضرت ﷺ کے روزہ ہونے کی نسبت شبہ ہوا اور ان کے پاس آکر ذکر کیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ بھیجا، چونکہ آپ ﷺ روزہ نہ تھے، دودھ پی لیا اور لوگوں کو تشفی ہوئی۔ (بخاری:۱/۲۶۷)

انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں، راوی حسب ذیل ہیں، عبداللہ، انس بن مالک، عبداللہ بن حارث بن نوفل، عمیر، کریب، قابوس، رضی اللہ عنہم۔

نہایت عابدہ زاہدہ اور مرتاض تھیں، ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ (جمعرات) روزہ رکھتیں تھیں، (خلاصۃ التہذیب: ۴۹۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر ان کے گھر پر دوپہر میں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔

اولاد:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کثیر العیال تھے، اکثر اولادیں ان ہی کے بطن سے ہوئیں، سب بیٹے قابل تھے، اس لئے بڑی خوش قسمت سمجھی جاتی تھیں، فضل، عبداللہ، معبد، عبیداللہ، قثم، عبدالرحمٰن اور ام حبیبہ ان کی اولادیں، حضرت عبداللہ بن عباس اور عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تو آسمانِ علم کے مہر وماہ ہوئے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

گوشۂ سیرت

آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک فصیح وبلیغ خطبہ

مولانا عبدالعزیز قاسمی*

غزوۂ حنین وغزوۂ اوطاس کے موقع پر مسلمانوں کو مالِ غنیمت بہت زیادہ حاصل ہوا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غریب اور نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والے اہل مکہ کو تالیفِ قلوب کا خیال کرتے ہوئے مالِ غنیمت بہت زیادہ عطا فرمایا تھا، مخلص انصار نے تو اس تالیفِ قلوب کو مصلحت پر محمول کیا مگر بعض انصار کو اہلِ مکہ کی ترجیح گراں گذری اور اس کو حق تلفی سمجھ کر یہ الفاظ زبان سے نکالے کہ کس قدر بے انصافی ہے اہلِ مکہ تو مالِ غنیمت سے مالا مال ہوں اور ہم حالانکہ ہماری تلواریں ابتک خون آلودہ ہیں محروم رہیں؛ جب یہ خبر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ان سبھوں کو جمع کیا اور ایک بڑے خیمے میں جہاں انصار کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا اس طرح خطاب فرمایا کہ اے گروہ انصار! یہ کیا باتیں ہیں جن کا چرچا تم آپس میں کر رہے ہو؟ انصار نے اول تو ادب کے سبب یہی کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کوئی بات نہیں ہے مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکرر دریافت فرمایا تو عرض کر دیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! عقلمند ومخلص اصحاب نے تو کچھ بھی نہیں کہا البتہ بعض کم عقل اور نوعمر لوگ مالِ غنیمت کا زیادہ حصہ اہلِ مکہ کو دینے کی وجہ سے اپنی حق تلفی سمجھ رہے ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے گروہ انصار! کیا میں تم لوگوں کے پاس ایسی حالت میں نہیں آیا کہ تم سب کفر کی تاریکی میں بھٹک رہے تھے پس خدا نے تم کو میرے ذریعہ سے ہدایت دی، تم لوگ فقر ومصیبت میں مبتلا تھے خدا نے تمہیں میرے ذریعہ سے غنی اور مطمئن کیا، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تمہارے دلوں کو محبت واتفاق سے بھر دیا کیا یہ بات صحیح نہیں ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہاں اے گروہ انصار! اگر تم یوں کہو تو بیشک صحیح ہوگا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تم ایسی حالت میں ہمارے پاس آئے کہ تمام لوگوں نے تم کو جھٹلا دیا تھا پس ہم نے تم کو سچا سمجھا اور تم پر ایمان لائے، تم بے یار ومددگار آئے اور ہم نے تمہاری مدد کی، تم کو سب نے چھوڑ دیا تھا اور ہم نے تمہاری غمخواری کی، تم

* مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم اننت پور

غریب وبیکس تھے ہم نے تمہیں پناہ دی، تم بے چین تھے ہم نے تمہیں تسلی دی۔

اے گروہ انصار! کیا اس مردار دنیا کی بدولت تم مجھ سے ناخوش ہو رہے ہو جس کو میں نے ضعیف الاسلام اہلِ مکہ میں تالیفِ قلوب کی غرض سے تقسیم کر دیا اور تمہارے ایمان کی پختگی پر اعتماد کر کے تم کو اس میں سے بہت کم حصہ دیا۔

اے گروہ انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ تو بھیڑ بکریاں لیکر جائیں اور تم محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر جاؤ قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو تم لے کر جاؤ گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو دوسرے لے کر جائیں گے، میں تم لوگوں کو کبھی نہیں چھوڑوں گا، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی میں ہوتا اگر سارے لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار ایک راستے پر چلیں تو میں انصار ہی کے راستے پر چلوں گا، انصار میرے بدن سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے اندرونی لباس اور دوسرے لوگ بیرونی لباس کے مثل ہیں۔

اے میرے اللہ! رحمت نازل فرما انصار پر اور انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے پوتوں پر۔

مؤرخ لکھتا ہے کہ انصار رضی اللہ عنہم ان باتوں کو سن کر اتنا روئے کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور بیتاب ہو کر سب لوگوں نے مل کر بآواز بلند کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ کی تقسیم پر دل وجان سے راضی ہیں۔ پھر سارے انصار خوشی خوشی اپنے گھروں کو واپس آئے۔ (ماخوذ از: تاریخ اسلام)

اصلاحی مضامین

ماہ صفر؛ سیرت نبویہ کی نظر میں

مولانا عابد جمشید

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بیماری کا ایک دوسرے سے لگنا، بدشگونی، ہامہ اور ماہ صفر (کی نحوست) یہ سب چیزیں بے حقیقت ہیں۔'' (صحیح بخاری)

ماہ صفر اسلامی کیلنڈر کا دوسرا مہینہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے بارہ مہینوں میں سے ایک ہے؛ جیسا کہ مہینوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے: ''بیشک اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ جب سے اس نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا، اس میں چار مہینے محترم ہیں۔ یہ سیدھا اور صحیح دین ہے۔ پس تم لوگ ان (مہینوں کے بارے) میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔'' (التوبہ:36) چار محترم مہینے یہ ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب۔

سارے مہینے اور دن اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں، سب آپس میں برابر ہیں، کسی مہینے یا دن کو اگر کوئی برتری حاصل ہے تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے ہے۔ نیز کوئی مہینہ اور دن اللہ تعالیٰ کے یہاں منحوس نہیں جیسا کہ ماہ صفر کے متعلق عام طور پر یہ بات مشہور ہے اور مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ زمانہ جاہلیت میں بھی پایا جاتا تھا۔ انسان نیکی بھی کرتا ہے اور برائی بھی پس جس وقت کو بندۂ مومن اللہ کی اطاعت میں گزارے وہ اس کے حق میں مبارک وقت ہے اور جس وقت گناہ کا ارتکاب کرے وہی وقت اس شخص کے لیے منحوس ہے۔ گویا حقیقت میں نحوست کی چیز اللہ تعالی کی معصیت اور نافرمانی ہے۔

اس مہینے کے آخری بدھ کو اور بعض جگہ اس مہینے کی تیرہ تاریخ کو طرح طرح کی رسمیں انجام دی جاتی ہیں، بعض لوگ اس ماہ کے آخری بدھ کو خصوصیت کے ساتھ غسل کا اہتمام کرتے ہیں اور خاص کھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ تمام رسمیں بدعات ہیں اور دین اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں، یہ کام نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہوئے اور نہ صحابہ کرامؓ کے عہد میں ان کا کوئی ثبوت ملتا ہے، نہ تابعین کے ہاں ان رسموں کا رواج تھا اور نہ ہی سلفِ امت میں کسی نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ لہٰذا ان تمام رسومات و بدعات سے بچنا چاہیے۔

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں کفار مکہ بعض پرندوں سے فال لیتے تھے اور الو کو منحوس سمجھا جاتا تھا، اسی طرح پرندوں سے یا اس کی آوازوں سے فالِ بد لینا جیسا کہ آج بھی ہندوؤں اور بعض مسلم معاشروں میں یہ چیز پائی جاتی ہے، یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے۔

ماہِ صفر کو سیرت نبوی میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے، اس ماہ میں بہت سے اہم واقعات پیش آئے۔ ہم ذیل میں چند اہم اور مشہور واقعات کا ذکر کرتے ہیں:

☆ اسی ماہ صفر کی 26 تاریخ تھی، نبوت کا چودھواں سال تھا، جمعرات کا دن سورج بلند ہونا شروع ہوا اور ادھر کفار مکہ بھی اسلام کے خلاف اپنی کوششوں میں مصروف ہوئے اور رحمۃ للعٰلمین، مظلوموں کے غم خوار، امن و سلامتی کے علَم بردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نجات پانے کے راستے تلاش کرنے لگے۔ چناں چہ یہی وہ دن ہے کہ جس دن سردارانِ قریش نے ایک میٹنگ بلائی جس میں اس امت کا فرعون ابوجہل بن ہشام قبیلہ بنومخزوم کا سرپرست، جبیر بن مطعم بنی نوفل بن عبدمناف کا، شیبہ بن ربیعہ اور اس کا بھائی عتبہ بن ربیعہ اور سفیان بن حرب بنی عبدشمس بن مناف کے، نضر بن حارث بنی عبدالدار کے، ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن اسود اور حکیم بن حزام بنی اسد بن عبدالعزی کے، نبیہ بن حجاج اور منبہ بن حجاج بنی سہم کے اور امیہ بن خلف بنی جمح کے سردار بن کر سامنے آئے، ان کی مزید سربراہی کے لئے ابلیس نے اپنی خدمات مفت پیش کیں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قتل کرنا، جس کیلئے قریش کے قبیلوں سے ایک ایک فرد چنا گیا تاکہ اس خون میں سب شریک ہوں اور بنوعبدمناف (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قبیلے کا نام) بدلے میں کسی سے جنگ نہ کر سکے۔

ادھر اللہ علام الغیوب کی طرف سے جبریل امین آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حکم ہجرت لے کر آئے، ساتھ یہ بھی کہا کہ آج رات اپنے بستر پر نہ گزاریں۔ یہ 27 صفر کا دن تھا کہ اسی رات قریش کے سرکردہ مجرمین نے اپنا سارا دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف مہم میں گزارا، جب رات ذرا تاریک ہوئی تو یہ لوگ گھات لگا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دروازے پر بیٹھ گئے کہ آپ سو جائیں تو یہ لوگ آپ پر ٹوٹ پڑیں۔ بہرحال قریش اپنے منصوبے کے نفاذ کی انتہائی تیاری کے باوجود ناکامی سے دوچار ہوئے اور اس نازک ترین لمحہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو، تمہیں ان سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہی چادر اوڑھ کر سویا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باہر آئے اور کفار کی صفیں چیریں ایک مٹھی خاک لی اور ان کی طرف اچھالی جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ آپ کو نہ دیکھ سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے

اور پھران کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے رات ہی رات یمن کا رخ کیا اور چند میل دور واقع ثور نامی پہاڑ پر ایک غار میں جا پہنچے، جسے بعد میں غار ثور کے نام سے پہچانا گیا۔ غار میں حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ بھی یہیں رات گزارتے۔ امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ بڑے ذہین وفطین تھے رات چھا جانے کے بعد آپ کے پاس جاتے اور صبح اس حالت میں کرتے کہ مکہ والے سمجھتے کہ انہوں نے رات یہیں گزاری ہے اس طرح وہ کفار مکہ کی سازشیں آپ تک پہنچاتے۔

چوتھے دن پیر یکم ربیع الاول 1ھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غار سے آگے مدینہ کا سفر عبداللہ بن اریقط اللیثی کی رہنمائی میں کیا جو صحرائی اور بیابانی راستوں کا ماہر تھا اور ابھی قریش ہی کے دین پر تھا، لیکن قابل اطمینان تھا۔

☆ ماہ صفر 2ھ اگست 623ء غزوہ ابوائ۔ اس مہم میں ستر مہاجرین کے ہمراہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور مدینے میں حضرت سعد بن عبادہ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا، مہم کا مقصد قریش کے ایک قافلے کی راہ روکنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ودان تک پہنچے لیکن کوئی معاملہ پیش نہ آیا، اسی غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوضمرہ کے سردار وقت عمرو بن مخشی الضمری سے حلیفانہ معاہدہ کیا جس کی تحریر یہ تھی ''یہ بنوضمرہ کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر ہے، یہ لوگ اپنی جان اور مال کے بارے میں مامون رہیں گے اور جو ان پر حملہ کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی، الا یہ کہ یہ خود اللہ کے دین کے خلاف جنگ کریں۔ یہ معاہدہ اس وقت تک کے لئے ہے جب تک سمندر ان کو تر کرے (یعنی ہمیشہ کے لئے) اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مدد کے لئے انہیں آواز دیں تو انہیں آنا ہوگا۔'' یہ پہلی فوجی مہم تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود تشریف لے گئے تھے اور پندرہ دن مدینے سے باہر گزار کر واپس آئے، اس مہم کے پرچم کا رنگ سفید تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ علمبردار تھے۔

☆ ماہ صفر 4ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس عضل اور قارہ (قبیلوں کے نام) کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور ذکر کیا کہ ان کے اندر اسلام کا کچھ چرچا ہے لہٰذا آپ ان کے ہمراہ کچھ لوگوں کو دین سکھانے اور قرآن پڑھانے کے لئے روانہ فرما دیں آپ نے دس افراد کو روانہ فرمایا اور عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا حضرت عاصم بن ثابت کو ان کا امیر مقرر کیا۔ جب یہ لوگ رابغ اور جدہ کے درمیان قبیلہ ہذیل کے رجیع نامی ایک چشمے پر پہنچے تو ان پر عضل اور قارہ کے مذکورہ افراد نے قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان کو چڑھا دیا اور بنولحیان کے کوئی ایک سو تیر انداز ان کے پیچھے لگ گئے، ان کو گھیر لیا اور انہیں امن کا وعدہ دینے لگے لیکن حضرت عاصمؓ نے ان کی بات کا یقین نہ کیا اور اپنے رفقاء سمیت ان سے جنگ شروع کر دی، بالآخر تیروں کی بوچھاڑ میں سات افراد شہید ہو گئے اور تین باقی رہ گئے، اب دوبارہ بنولحیان نے اپنا عہد و پیماں دہرایا اس پر تینوں صحابہ کرام ان کے پاس

آئے لیکن انہوں نے قابو پاتے ہی بدعہدی کی اور انہیں اپنی کمانوں کی تانت سے باندھ دیا اس پر تیسرے صحابیؓ نے یہ کہتے ہوئے جانے سے انکار کر دیا کہ یہ پہلی بدعہدی ہے جس پر انہوں نے انہیں قتل کر دیا اور باقی دو صحابہ حضرت خبیب اور زید رضی اللہ عنہم کو مکہ لے جا کر بیچ دیا گیا ان دونوں نے بدر کے روز اہل مکہ کے سرداروں کو قتل کیا تھا۔

☆ صفر 4ھ بئر معونہ۔ یہ اس مہینے کا دوسرا المناک واقعہ تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو براء عامر بن مالک جو ملاعب الاسنۃ یعنی نیزوں کا کھلاڑی کے لقب سے مشہور تھا، مدینہ خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی، جو اس نے قبول تو نہ کی مگر دوری بھی اختیار نہیں کی۔ اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اپنے اصحابؓ کو دعوت دین کے لئے اہل نجد کے پاس بھیجیں تو مجھے امید ہے کہ وہ لوگ آپ کی دعوت قبول کر لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ان سے خطرہ ہے۔ ابو براء نے کہا کہ آپ کے صحابہؓ میری پناہ میں ہوں گے۔ اس پر آپ ﷺ نے 70 آدمیوں کو اس کے ہمراہ بھیجا اور منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ بئر معونہ پہنچ کر حرام بن ملحانؓ کو رسول اللہ ﷺ کا خط دے کر اللہ کے دشمن عامر بن طفیل کے پاس روانہ کیا، جس نے کچھ نہ دیکھا اور ایک آدمی کو پیچھے سے اشارہ کر دیا جس نے حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو اس زور کا نیزہ مارا کہ آر پار ہو گیا اور ان کے آخری الفاظ تھے ''اللہ اکبر! ربِ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔'' اس کے بعد فوراً ہی اس سرکش عامر نے باقی صحابہ کرامؓ پر حملہ کرنے کے لئے اپنے قبیلے کو آواز دی، مگر انہوں نے ابو براء کی پناہ کے پیش نظر اس کی آواز پر کان نہ دھرے اس نے مایوس ہو کر بنو سلیم کو آواز دی اس کے تین قبیلوں عصیہ، رعل، اور ذکوان نے اس پر لبیک کہا اور جھٹ آ کر ان صحابہ کرامؓ کا محاصرہ کر لیا۔ جواباً صحابہ کرامؓ نے بھی لڑائی کی مگر سب کے سب شہید ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ کو اس خبر سے شدید صدمہ ہوا اور آپ نے دو ماہ تک ان قبیلوں کے لیے قنوت نازلہ پڑھی اور ان کے لیے بددعا کی۔

فتح خیبر کے بعد کے کئی واقعات بھی اسی ماہ صفر میں پیش آئے جن میں سے:

☆ صفر 7ھ حضرت جعفر اور ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہم حبشہ سے خیبر پہونچے۔

☆ صفر 7ھ حضرت صفیہ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا، جس میں ان کی اسلام کے بعد آزادی، ان کا مہر قرار پائی۔

☆ صفر 7ھ سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے آپ ﷺ کو بھنی ہوئی بکری کا ہدیہ بھیجا جو کہ زہر آلود تھا، آپ ﷺ نے اس سے ایک ٹکڑا چبایا اور نگلنے کے بجائے تھوک دیا اور فرمایا کہ یہ ہڈی مجھے بتا رہی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔

☆ صفر 7ھ اہل فدک سے نصف پیداوار پر مصالحت ہوئی۔

☆ صفر 7ھ کو نبی کریم ﷺ لشکر اسلام کے ہمراہ وادی القری تشریف لے گئے جو کہ ایک یہودی علاقہ تھا ان کے ساتھ عرب بھی شامل ہو گئے، جب مسلمان وہاں اترے تو انہوں نے تیروں سے استقبال کیا، وہ پہلے ہی صف بندی کئے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ کا ایک غلام مارا گیا، جس نے غنیمت خیبر سے ایک چادر چرائی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ چادر اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے نہ مانی مبارزت ہوئی جس میں ان کے گیارہ آدمی مارے گئے، جب ایک مارا جاتا آپ ﷺ انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ اس دن جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ نماز پڑھتے اور پھر دوبارہ یہود کے مقابلے میں چلے جاتے اسی طرح شام ہوگئی۔ دوسرے دن ابھی سورج نیزہ برابر بھی نہ ہوا تھا کہ انہوں نے اپنا سب کچھ آپ ﷺ کے سامنے ڈھیر کر دیا۔

☆ خیبر سے مدینہ واپسی بھی غالباً اسی صفر 7ھ کے آخر میں ہوئی۔

☆ صفر 8ھ میں سریہ غالب بن عبداللہ پیش آیا۔

☆ صفر 9ھ: سریہ قطبہ بن عامر پیش آیا۔

☆ آخری فوجی مہم: آپ ﷺ نے اپنی زندگی کی آخری اور ایک بڑی فوجی مہم کی تیاری اسی مہینے میں کرائی جس کا سپہ سالار حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہ کو مقرر کیا اور حکم دیا کہ بلقاء کا علاقہ اور داروم کی فلسطینی زمین سواروں کے ذریعہ روند آؤ۔

سطور گذشتہ میں ہم نے نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی کے کچھ واقعات پیش کیے ہیں جو صفر کے مہینہ میں پیش آئے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی عرض کی گئی کہ اس مہینہ کو منحوس سمجھنا محض جہالت اور دین سے دوری ہے۔ اس مہینہ کے ابتدائی دنوں کو تیرہ تیزی کا نام دینا، جنات کے آسمان سے نزول کا عقیدہ رکھنا، اس میں شادی کی تقریبات منعقد نہ کرنا وغیرہ یہ سب توہمات ہیں جن کی ہمارے پاک اور مقدس دین میں کوئی گنجائش نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق سے نوازیں۔

نوٹ: ایک من گھڑت حدیث کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: جو مجھے ماہ صفر ختم ہونے کی خوشخبری دے گا میں اسے جنت کی بشارت دوں گا۔ یہ من گھڑت حدیث آج کل سوشل میڈیا کے ذریعے بہت پھیلائی جا رہی ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اصلاحی مضامین

مسجدیں اسلام کا لازمی اور اٹوٹ حصہ ہیں

مفتی اظہار الحق قاسمی*

ہندوستان کی عدالت عظمی کی طرف سے مورخہ: ۲۷/ستمبر ۲۰۱۸ کو آئے ہوئے اسماعیل فاروقی کیس کے فیصلہ کے پیش نظر جس میں مسجد کے حوالے سے یہ کہا گیا ہے کہ "مسجد اسلام کا لازمی حصہ نہیں" کی مناسبت سے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ پورے ملک کے لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ مسجد اسلام کا لازمی اور اٹوٹ حصہ ہے اور مسجد کے بغیر اسلام کا تصور ناقص اور نامکمل ہے۔ گو کہ یہ فیصلہ اب سے چوبیس سال پہلے قلم بند کیا گیا تھا لیکن چوبیس سال کی مدت کے بعد بھی اگر ہندوستان کی عدالت عظمی اس حوالے سے پورے طور پر واقف نہ ہو سکی تو سوائے افسوس کے اور کیا کہا اور کیا جا سکتا ہے۔

ذیل میں ہم نے مساجد کا اسلام سے کیسا گہرا اور اٹوٹ رشتہ ہے اس کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم آج لوگوں کو بتلائیں کہ مسلمان کے لیے مسجد کی کیا اہمیت و حیثیت ہے اور مسجدیں مسلمانوں کے لیے کس طرح اساس اور بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں۔ مسجدوں سے ہی اسلام کو فروغ حاصل ہوا اور مسجدوں سے ہی کاروبار جہاں کو سنبھالا گیا۔

تعمیر مساجد کی اہمیت و ضرورت اور تاریخ

اسلام نے فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح کا اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہر فرد پر جو سب سے پہلی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ نماز ہے؛ تاکہ نماز اس کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی بیماریوں کی اصلاح کر سکے۔ ذیل کی حدیث نماز کے اسی عظیم فائدہ کی شاہد ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کے گھر کے سامنے سے ایک نہر گزرتی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل کچیل باقی رہ جائے گی؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ نہیں یا رسول اللہ! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "بالکل اسی طرح جو آدمی روزانہ پانچ مرتبہ نماز ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان نمازوں کے ذریعے اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ (مسلم)

*مدرس مدرسہ عربیہ قرآنیہ، اٹاوہ، یوپی

فردکی اصلاح کے بعد معاشرتی اصلاح کا نمبر آتا ہے چنانچہ جب بہت سے افراد مل کر ایک معاشرہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو ان کی اصلاح وتطہیر کے لئے اسلام نے نماز باجماعت کو لازمی قرار دیا ہے۔جس کے لئے مسجد کا قیام ناگزیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جب اوّلین معاشرہ تشکیل دیا تو اس کے ساتھ ہی مساجد کی تعمیر شروع ہوگئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نے جب ایک معاشرہ کی شکل اختیار کرلی تو آپ کا سب سے پہلا کام بیت اللہ کی تعمیر تھا۔ پھر جب آپ کی اولاد اطراف واکناف عالم میں پھیلی تو آپ ہی کے ایک صاحبزادے نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی۔اس کے بعد ملّتِ اسلامیہ کے بانی حضرت ابراھیم اوران کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے جب دعوت دین کا بیڑا اُٹھایا تو آپ ﷺ نے اپنا مرکز خانہ کعبہ یا مسجد الحرام کو بنایا اور جب کفار کی طرف سے اعلانیہ مخالفت ہوئی تو آپ ﷺ نے دارِارقم کو اس کام کے لئے منتخب فرمایا؛ لیکن جس وقت حضرت عمرؓ اسلام لائے پھر سے خانہ کعبہ اور مسجد الحرام کی دیواریں تکبیر کے نعروں اور توحید کے کلمات سے گونجنے لگیں، پھر جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں پر سب سے پہلے قبا میں پھر مدینہ میں مسجدوں کی تعمیر کی۔

پھر اسلام نے سرزمینِ عرب سے قدم باہر نکالا تو جہاں جہاں اسلام کی روشنی پہنچی اور مسلم معاشرہ کا قیام عمل میں آیا، مساجد تعمیر ہوتی چلی گئیں۔جن میں سے بعض آج بھی اپنی شان وشوکت کے ساتھ موجود ہیں۔موجودہ دور کے غیر مسلم ممالک بھی جہاں کچھ بھی مسلمان موجود ہیں مساجد سے خالی نہیں۔اور مسلمان ممالک کا تو ذکر ہی کیا، ہر گاؤں، ہر محلہ اور ہر شہر میں مساجد کے شاندار مینار اپنی عظمت ورفعت کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں۔یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دور کا وہ معاشرہ جو استحکام، پائیداری اور عظمت ورفعت کی بہترین مثال تھا، مساجد ہی کا مرہونِ منت تھا۔

مسجد کی تعمیر اسلامی معاشرہ کے تشکیل کی خشتِ اول ہے

اسلامی عقیدہ کے اعتبار سے سب سی پہلی مسجد اور عبادت گاہ جو اس روئے زمین پر تعمیر کی گئی وہ کعبۃ اللہ ہے۔آپ ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد وہیں سے تبلیغ دین شروع کیا لیکن جب آپ ﷺ کو وہاں عبادت سے روکا گیا اور آپ ﷺ کو وہاں سے مدینہ ہجرت کا حکم ہوا تو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ چناں چہ جب آپ مدینہ پہونچے تو آپ نے اپنے اصل پڑاؤ سے پانچ کلومیٹر پہلے ہی قیام کیا۔اُس جگہ کا نام قبا تھا اور آپ ﷺ کے آنے سے قبل وہاں کے کئی خاندان مسلمان ہوچکے تھے۔آپ ﷺ نے وہاں چودہ

دن قیام فرمایا، دوران قیام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس چیز کی طرف سب سے پہلے توجہ دلائی وہ مسجد کی تعمیر تھی، اس مسجد کی تعمیر کے لیے نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنیاد رکھی بل کہ؛ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعمیر میں دوسرے صحابہؓ کے ساتھ مل کر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ صحابہ کرامؓ نے اس میں پورے جوش وجذبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہت کم وقت میں مسجد تعمیر کرڈالی۔(بخاری) جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی:

جب مسجد قبا کی تعمیر مکمل ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے۔ وہاں پر پہونچنے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کی تعمیر کا قصد فرمایا اور پہونچنے کے بعد جس جگہ آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی وہ ایک خالی زمین تھی جو کہ دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ زمین ان سے خریدی اور وہاں پر مسجد کی تعمیر کا کام شروع کیا، اس مسجد کی تعمیر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف سنگ بنیاد رکھا بل کہ؛ بنفس نفیس دیگر صحابہؓ کی طرح محنت کی اور مسجد بنائی، صحابہ کرامؓ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اینٹیں اور گارا اٹھاتے دیکھتے تو کہتے کہ حضرت! ہم غلامان حاضر ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب میں صرف مسکرادیتے اور اپنا کام جاری رکھتے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثاروں میں اور ہمت بندھ جاتی اور وہ مزید محنت سے مسجد کی تعمیر میں لگ جاتے۔(بخاری)

سوچنے کا مقام ہے کہ کوئی آدمی اگر کہیں جاتا ہے تو پہلے کیا تلاش کرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ اپنی بودوباش کے لیے چھت اور جینے کے لیے کھانے کا نظم کرتا ہے لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پہونچ کر اپنی بودوباش اور قیام وطعام کی فکر کرنے کے بجائے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کی فکر کی۔ جس سے اسلام سے مسجد کے تلازم کو آسانی سے سمجھا اور باور کیا جاسکتا ہے۔

مسجد سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق

ہم مسلمان ہیں، ہمارے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر عمل واجب العمل ہے اور ہر عمل کی ہمارے نزدیک اہمیت اتنی ہے جتنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلائی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں مسجد کی کیا اہمیت رہی ہے:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے کاموں میں مشغول رہتے لیکن جیسے ہی اذان کی آواز سنتے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مسجد تشریف لے جاتے، سفر سے واپسی ہوتی تو پہلے مسجد تشریف لے جاتے، دو رکعت نماز ادا فرماتے اور پھر گھر تشریف لاتے، فقر وفاقہ کی نوبت آتی تو مسجد تشریف لے جاتے، خوف وگھبراہٹ یا پریشانی کا موقع ہوتا تو مسجد تشریف لے جاتے، سورج یا چاند گرہن ہوتا تو مسجد تشریف لے جاتے، مرض الوفات میں صرف تین یا چار روز مسجد نہ جاسکے تو بے چین ہوگئے، دو لوگوں کا سہارا لے کر اس حالت میں مسجد تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے، اگلے روز اتنی بھی ہمت نہ تھی تو گھر سے پردہ اٹھا کر

جھانکا اور مسلمانوں کو حضرت ابوبکر کی امامت میں سربسجود دیکھ کر چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ غرض کہ نبی پاک ﷺ اپنے ہر عمل میں مسجد کی طرف رخ فرماتے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ زمین میں سب سے محبوب جگہیں اللہ کے نزدیک مسجدیں ہیں۔ (مسلم)

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: سات لوگوں کو اللہ تعالی قیامت کے دن عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جس کا دل مسجدوں سے اٹکا رہتا ہو۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے روز فرشتے ہر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر لوگوں کے نام لکھتے ہیں اور آنے والوں کے لیے۔۔۔۔ ترتیب وار زیادہ اور کم ثواب لکھتے ہیں۔ (مسلم)

اعتکاف کے حوالے سے آپ ﷺ کے معمولات واضح طور پر بتلاتے ہیں کہ مسلمان مسجد کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ چناں چہ آپ ﷺ ہر سال (مسجد کے اندر) دس دنوں کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

ایک اور حدیث میں ہے کہ: اعتکاف صرف جامع مسجد میں (جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو) جائز ہے۔ (ابوداؤد)

ٹھہریے! اور ذرا سوچیے! کہ نبی پاک ﷺ کی زندگی میں مسجد کا عمل دخل کتنا تھا۔ کیا جو اعتکاف آپ ﷺ مسجد میں کیا کرتے تھے اور اس کے جملہ شروط و حدود مسجد کی چہار دیواری کے اندر قیام کے ذریعے ہی انجام پا سکتے تھے انھیں کسی اور جگہ سے متعلق کیا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ اس سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ مسجد کا اسلام کا کتنا گہرا اور لازمی رشتہ ہے۔ شرط ہے کہ چشم بینا ہو۔

مسلمانوں کے لیے مسجد میں آنے کا حکم اور نہ آنے پر وعید

نبی پاک ﷺ کی مختلف احادیث و ارشادات سے مسلمانوں کو مسجدوں میں جانے بل کہ؛ مسجدوں کو لازم پکڑنے کا حکم واضح طور پر ملتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے کیا ارشادات ہیں:

مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہؓ بن ام مکتوم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے یوں رخصت چاہی کہ اے اللہ کے رسول! (میں نابینا ہوں) مجھے کوئی گھر سے مسجد لانے والا نہیں، تو کیا میں گھر میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ تو آپ ﷺ نے ان کو رخصت دے دی؛ لیکن جب وہ صحابیؓ جانے کے لیے مڑے تو آپ نے انھیں بلا کر پوچھا! کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟ تو انھوں نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! آواز سنتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر مسجد میں آ کر نماز پڑھو۔ (مسلم)

ذرا سوچیے تو سہی کہ ایک نابینا صحابی یہ رخصت چاہ رہے ہیں کہ انھیں گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت مل

جائے لیکن اگر اذان کی آواز ان کو سنائی دیتی ہو تو انھیں گھر میں پڑھنے کی اجازت نہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ایک معذور آدمی کو مسجد چھوڑ کر گھر میں پڑھنے کی اجازت نہیں مل رہی ہے تو جو لوگ تندرست و توانا ہوں ان کو مسجد چھوڑ کر گھر میں بیٹھ جانے اور گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟۔ اس سلسلے کی اگلی احادیث ملاحظہ فرمائیں:

آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اذان کی آواز سنی اور نماز کے لیے (شرعی عذر کے بغیر) مسجد نہیں گیا تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔ (ابن ماجہ)

ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لیے عبادت کے طریقے مقرر فرما دیے ہیں، ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ جب مسجد میں اذان دی جائے تو اس میں حاضر ہو کر نماز ادا کرو۔ پس اگر تم اپنے گھروں میں (فرض) پڑھو گے جس طرح فلاں شخص جماعت چھوڑنے والا گھر میں نماز ادا کرتا ہے تو گویا تم نے اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دیا۔ اور اگر تم اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ (مسلم)

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ (صحابہؓ) یہ سمجھتے تھے کہ مسجد میں آکر نماز نہ ادا کرنے والا ایسا منافق ہے جس کا نفاق بالکل واضح ہے یا پھر وہ بیمار ہے حالانکہ (ہم سے جو شخص بیمار ہوتا) وہ بھی دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ آتا اور نماز ادا کرتا۔ (مسلم)

غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر آدمی مسجد چھوڑ کر گھر میں نماز پڑھ لے تو اس کی نماز نہ ہونے اور دوسری حدیث کی رو سے ایسے شخص کے گمراہ ہو جانے کا فیصلہ فرمایا جا رہا ہے۔ اگر مسجد اسلام کا جز ولا ینفک نہ ہوتی تو اتنی بڑی بات کیوں کر کہی جاتی؟ سوچیے!

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز عشاء اور فجر مسجد میں آکر ادا کرنا منافقوں پر بہت بھاری ہے۔ اگر لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ ان دونوں نمازوں کا مسجد میں آکر ادا کرنا کتنا زیادہ باعث اجر و ثواب ہے تو وہ مسجد میں گھٹنوں کے بل چل کر آئیں۔ (مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد نہ آنے والوں کا گھر جلانے کا ارادہ فرمایا: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا کہ میں لوگوں کو نماز کا حکم دوں کہ وہ کھڑی کی جائے اور ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی جماعت کرائے۔ پھر کچھ دوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر جائیں اور لکڑیوں کا ڈھیر ساتھ ہو جنھیں آگ لگا کر ان لوگوں کے گھر جلا دوں جو نماز کے لیے (مسجد) نہیں آتے۔ (مسلم)

ایک منٹ! نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے نرم اور رحم دل شخصیت کی طرف سے اتنا سخت اعلان کیا بتلاتا ہے؟ کیا وہی جو آپ کہہ رہے ہیں کہ مسجد اسلام کا لازمی حصہ نہیں یا وہ جو میں کہہ رہا ہوں کہ مسجدیں اسلام کا لازمی اور اٹوٹ حصہ ہیں اور مسجدوں کے بغیر اسلام کا تصور ناقص ہے۔

مسجدیں تعمیر کرنے کی ترغیب و حکم اور مسجدوں سے منع کرنے پر نکیر

قرآن مجید میں مسجدوں کی تعمیر کرنے والوں کی یہ تعریف کی گئی ہے: بیشک اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور نہیں ڈرتے مگر صرف اللہ سے۔ (سورہ توبہ) ترمذی شریف میں ہے کہ: جس نے کوئی مسجد بنائی وہ چھوٹی ہو یا بڑی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ (حدیث) قرآن فرماتا ہے کہ: اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالی کی مسجدوں میں اللہ تعالی کے ذکر کیے جانے کو روکے اور ان میں خرابہ پھیلانے کی کوشش کرے۔ (سورۂ بقرہ) ابوداؤد شریف، بخاری اور مسلم شریف میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف محلوں میں مسجدیں تعمیر کرنے اور انھیں صاف ستھرا رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔

آخری حدیث پڑھیے اور سر دھنیے کہ حضرت شارع علیہ السلام کیا فرمارہے ہیں: کہ ہر ہر محلے اور ہر ہر آبادی میں مسجدوں کی تعمیر کرو۔ کیا اس سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ مسجد اسلام کا اٹوٹ حصہ ہے۔

خلاصہ بحث

مذکورہ بالا دلائل وشواہد تو بس مشتے از خروارے کی مثال ہیں ورنہ بے پناہ آیات واحادیث سے مسجد کی اہمیت وفضیلت حاصل ہوتی ہے۔ جن کی بنیاد پر یہ بات واضح طور پر کہی جاسکتی ہے کہ مسجدیں اسلام کا جزو لاینفک ہیں۔ مسجدوں کے بغیر اسلام کا تصور ممکن ہی نہیں۔ اوپر مذکور چیزیں تو نماز ہی سے متعلق ہیں ورنہ اسلام کے جملہ معاملات چاہے وہ دین سے متعلق ہوں، یا علم سے، حکومت سے متعلق ہوں یا سیاست سے، قانون سازی سے متعلق ہوں یا اقتصاد سے، غرض کہ اسلام کی پوری تاریخ میں مساجد دین کے مراکز اور سیاست کے سینٹر زرہے ہیں۔ اس لیے مساجد کے متعلق ہندوستان کی عدالت عظمی کی یہ رائے کہ "مساجد اسلام کا لازمی جزو نہیں ہیں" درست نہیں۔ سپریم کورٹ آف انڈیا کو چاہیے کہ اپنے وقار پر کم علمی کا داغ نہ لگنے دے اور اسلام سے مساجد کو الگ کر کے نہ دیکھے ورنہ تاریخ کے دامن میں یہ بات محفوظ ہو جائے گی کہ ایک سو تیس کروڑ آبادی والے ملک ہندوستان اور اس کی عدالت عظمی میں اتنے بھی پڑھے لکھے لوگ نہیں جو اسلام کا مسجد سے کیا تعلق ہے جان سکیں اور اس کو سمجھ اور سمجھا سکیں۔

اصلاحی مضامین

اسمارٹ فون: اس دور کا سب سے بڑا فتنہ

مولانا ندیم الواجدی*

حال ہی میں ایک ویڈیو وائرل ہوئی ہے، یورپ کے کسی ملک کی ویڈیو ہے، اس میں چھوٹے بچوں کو دکھلایا گیا ہے، ان کے ہاتھوں میں تختیاں ہیں جن پر کچھ اس طرح کے نعرے لکھے ہوئے ہیں "ہمیں وقت دو" "ہمیں آپ کا پیار چاہئے" "موبائل فون سے ہم نفرت کرتے ہیں" بچوں کے اس مظاہرے کی قیادت ایک سات سالہ بچہ کررہا تھا، ان بچوں کو اپنے والدین سے شکایت ہے کہ وہ ان پر توجہ دینے کے بجائے اپنا تمام وقت موبائل فون کے ساتھ گزارتے ہیں، یہ گھر گھر کی کہانی ہے، موبائل کے حد سے زیادہ استعمال نے ہمیں دور دراز کے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ تو مربوط کیا ہے لیکن قریبی رشتوں سے دور بھی کردیا ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو نادیدہ لوگوں کے ساتھ دوستی اور تعلق میں اتنے آگے بڑھ جاتے ہیں کہ انھیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ قریب ترین رشتوں کی ڈور ان کے ہاتھ سے نکل چکی ہے، یہ تو وہ بچے تھے جنھیں احساس ہوا کہ اس عمر میں وہ والدین کی توجہات کے زیادہ مستحق ہیں، ورنہ بہت سے بچے تو اس کمی کو اسمارٹ فون کے استعمال سے پوری کر رہے ہیں، والدین خود بھی موبائل فون پر دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف رہنے کی وجہ سے اپنے نوعمر بلکہ شیر خوار بچوں تک کو موبائل فون پکڑا دیتے ہیں، انھیں یہ خیال تک نہیں آتا کہ اس طرح بچوں کی نشو ونما متأثر ہوسکتی ہے، ان کی آنکھیں خراب ہوسکتی ہیں، ان کی تعلیم پر بھی اس کا اثر پڑسکتا ہے سب سے زیادہ یہ کہ وہ ان سے دور بھی ہوسکتے ہیں، مگر موبائل فون کے نشے میں چور والدین کو ان سب چیزوں کی کوئی پرواہ نہیں۔

ہمارے دور کی سائنسی ایجادات میں موبائل فون ایک اہم ایجاد ہے، اس وقت دنیا میں اگر کسی ایجاد سے زیادہ فائدہ اٹھایا جارہا ہے تو وہ موبائل فون ہے، دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے نصف یقینی طور پر اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہے، خود ہمارے ملک میں چالیس پچاس کروڑ افراد موبائل سے جڑے ہوئے ہیں، اس ایجاد نے دوریاں ختم کردی ہیں، فاصلے مٹادئے ہیں، اور لوگوں کو ایک دوسرے سے انتہائی قریب کردیا ہے، آدمی دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو اس فون کے ذریعے وہ ہر وقت اپنوں سے باخبر رہتا ہے اور انھیں بھی باخبر رکھتا

*مدیر ماہنامہ ترجمانِ دیوبند

ہے، دنیا بھر کی معلومات انٹرنیٹ کے ذریعہ اس کے موبائل فون پر سیلاب کی طرح آتی رہتی ہیں، کہیں بھی کوئی اہم یا غیر اہم واقعہ ہو وہاٹس ایپ، فیس بک، ٹیوٹر اور دوسرے پروگراموں کے ذریعے اس تک پہنچ جاتا ہے، کسی چیز کے متعلق معلومات درکار ہوں تو گوگل کافی ہے، اس کے خزانے میں ہر طرح کی معلومات موجود ہیں، بس آپ کی انگلیوں کو حرکت کرنی ہے، اگلے ہی لمحے آپ کے موبائل فون کی اسکرین پر وہ تمام معلومات آپ کی مطلوبہ زبان میں لکھی ہوئی سامنے آجائیں گی، ساری دنیا سے باخبر رہنے کا اس سے بہتر ذریعہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا، پہلے ریڈیو کھولنا پڑتا تھا، ٹی وی کی نشریات دیکھنی پڑتی تھیں، اخبارات پڑھنے پڑتے تھے، کتابوں کے صفحات الٹ پلٹ کرنے پڑتے تھے، اب یہ ساری چیزیں آپ کے اسمارٹ فون میں ہیں، نہ کہیں جانے کی ضرورت، نہ کسی جگہ جم کر بیٹھنے کی ضرورت، نہ کتابیں اٹھانے اور رکھنے کی ضرورت، نہ ٹی وی چینلوں کو گردش دینے کی ضرورت، پوری دنیا آپ کی مٹھی میں ہے، بس مٹھی کھولنے کی ضرورت ہے، یہ تو موبائل فون کا مثبت پہلو ہے، لیکن یہ ایجاد اپنے ساتھ کتنی خرابیاں لے کر آئی ہے اس کا احساس اب ذی شعور لوگوں کو ہونے لگا ہے، ممتاز عالم دین مولانا تقی عثمانی صاحب تو اسمارٹ فون کو دور حاضر کا سب سے بڑا فتنہ کہتے ہیں، اگر ایک سادہ سا موبائل ہو اور مقصد صرف اتنا ہو کہ اس کے ذریعے کسی کو فون کرلیا جائے یا کسی کا فون سُن لیا جائے تو اس سے بڑھ کر مفید چیز کوئی دوسری نہیں ہوسکتی، خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب یہ سادہ سا فون اسمارٹ فون میں یا ملٹی میڈیا فون میں تبدیل ہوجاتا ہے، پھر اگر اس کا استعمال اس حد تک ہو جس حد تک کسی کو اس کی ضرورت ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، مثال کے طور پر ایک تاجر اسمارٹ فون صرف اس لیے رکھتا ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنی تجارت کو فروغ دے سکے یا دورہ کر اپنی تجارتی سرگرمیوں پر نظر رکھ سکے اور انھیں دورہ کر بھی کنٹرول کرتا رہے تو یقینا یہ بہترین استعمال ہے، ایک صحافی اسمارٹ فون کے ذریعے دنیا بھر کی خبروں سے باخبر رہتا ہے، واقعات عالم پر مشہور و معروف قلم کاروں کے تجزیوں اور سیاست دانوں کے تبصروں کی روشنی میں وہ اپنی رائے قلم بند کرتا ہے اور اپنی یہ رائے نیٹ پر ڈال دیتا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے اس کا نقطۂ نظر بھی آجائے تو کہا جائے گا کہ یہ صحافی اپنے اسمارٹ فون کو صحیح طور پر استعمال کررہا ہے، اسی طرح کوئی طالب علم اپنے مضمون کی تیاری میں نیٹ پر دستیاب معلومات سے مدد لے رہا ہے تو یہ بھی غلط نہیں ہے، بات وہاں خراب ہوتی ہے جہاں اس کا استعمال غلط طور پر کیا جاتا ہے، مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ موجودہ دور میں اسمارٹ فون فحاشی پھیلانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، مولانا کا یہ تجزیہ صد فی صد درست ہے، آج ہماری نئی نسل بہ طور خاص اسمارٹ فون کو اس لیے گلے لگائے پھرتی ہے کہ وہ اس کی خلوتوں کا ساتھی اور تنہائیوں کا رفیق ہے، وہ اس میں کیا دیکھتا ہے کوئی اس سے

پوچھنے والا نہیں ہے، کچھ پہلے تک تفریح کا بڑا ذریعہ سنیما بینی تھا، لیکن بہت سے لوگ خاص طور داڑھی ٹوپی والے لوگ سنیما ہاؤس کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اس لیے ڈرتے تھے کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو وہ طعنہ دے گا اور ہمارے احترام وعزت میں فرق آجائے گا، اب صورت حال بدل چکی ہے، دنیا بھر کی فلمیں آپ کی جیب میں ہیں، اور آپ کے اشارے کی منتظر ہیں، آپ داڑھی ٹوپی تو کیا جبہ و دستار میں بھی ان فلموں سے استفادہ کر سکتے ہیں اور معاشرے میں اپنی بزرگی کا بھرم برقرار رکھ سکتے ہیں۔

فلمیں خاص طور پر فحش فلمیں تو اب بھی پردے میں دیکھی جاتی ہیں، لیکن دوستوں کے ساتھ سارا سارا دن اور پوری پوری رات چیٹنگ کرنے میں کسی آڑ کی ضرورت نہیں ہے، جسے دیکھو وہ خشوع خضوع کے ساتھ اس کام میں لگا رہتا ہے، وقت کی اضاعت، صحت کی بربادی، پیسے کا ضیاع، قریبی رشتوں کے ساتھ دوری، سب اسی اسمارٹ فون کی بدولت ہیں، ایک عام گھر کا منظر نامہ بھی کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ بیوی اپنے موبائل پر مصروف، شوہر اپنے موبائل کی اسکرین پر نظر جمائے ہوئے، بچے بھی والدین کے نقش قدم پر، نیند نے مجبور کیا سو گئے، ورنہ صبح تک پلک نہیں جھپکی جاتی، سونے کے بعد اٹھتے ہی سب سے پہلے فون پر اپنا اسٹیٹس چیک کیا جاتا ہے، اس کے بعد دوسری مصروفیات شروع ہوتی ہیں۔

ہم نے اسمارٹ فون کو اس لیے موضوع نگارش بنایا کہ دارالعلوم دیوبند نے اپنے طلبہ پر یہ پابندی عائد کی ہے کہ وہ اپنے پاس ملٹی میڈیا موبائل فون نہیں رکھ سکتے، اگر کسی طالب علم کے پاس سے اس طرح کا کوئی موبائل برآمد ہوا تو پہلی فرصت میں اس کا اخراج کر دیا جائے گا اور اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا، چنانچہ تلاشی کے دوران دو طالب علموں کے پاس سے اس طرح کے فون برآمد ہوئے جن کا فوری طور پر اخراج کر دیا گیا، جہاں تک ہمارا خیال ہے دارالعلوم دیوبند نے اسمارٹ فون پر پابندی لگانے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ درست سمت میں ایک صحیح قدم ہے، اور مستقبل میں اسکے اچھے نتائج برآمد ہوں گے، دیوبند کے دوسرے مدرسوں کو بھی دارالعلوم کی تقلید کرنی چاہئے، بلکہ تمام مدارس کو اس سلسلے میں سخت قدم اٹھانا چاہئے، اس بیماری پر اسی وقت مکمل طور پر قابو پایا جا سکتا ہے، شاید ہی کوئی طالب علم ایسا ہو جس کی جیب میں اسمارٹ فون موجود نہ ہو، ان نوعمر اور ناپختہ شعور بچوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس کو صرف تعمیری مقاصد میں ہی استعمال کریں گے، غیر شعوری طور پر ان کی رسائی ایسی ویب سائٹس تک ہو سکتی ہے جو ان کی اخلاقیات کو متأثر کر سکتی ہیں، اس لیے اس طرح کے موبائل سے ان کو دور رکھنا ہی بہتر قدم ہے، بہت سے محتاط علماء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اسمارٹ فون کا استعمال صرف اس شخص کے لیے جائز ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور وہ جلوت وخلوت ہر حال میں اللہ کی پکڑ سے ڈرتا رہتا ہو، اگر کسی کا دل اللہ کے ڈر سے خالی ہو اس کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ اسمارٹ فون استعمال کرے۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ طلبہ صرف شوق میں اس طرح کے موبائل رکھتے ہیں اور وہ واٹس اپ یا فیس بک وغیرہ پر دوستوں اور رشتہ داروں سے رابطہ رکھنے یا ان سے چیٹ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتے تب بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دور طالب علمی میں اس طرح کے مشاغل بے حد مضر ہیں، حکیم الامت حضرت تھانویؒ تو دور طالب علمی میں رشتہ داروں کی طرف سے آئے ہوئے خطوط دیکھنے کے روادار بھی نہیں تھے، بلکہ وہ ایسے تمام خطوط جو انھیں ایام طالب علمی میں موصول ہوتے ایک گھڑے میں ڈال دیتے تھے، جب سالانہ تعطیلات ہوتیں تو گھڑے کے اندر سے تمام خطوط نکالتے، انھیں پڑھتے، کسی کے مرنے کی خبر ہوتی تو اس کے گھر تعزیت کے لیے تشریف لے جاتے، کوئی خوشی کی خبر ہوتی تو اسے مبارکباد پیش کرتے، انھیں یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ اپنا قیمتی وقت خطوط پڑھنے اور ان کا جواب لکھنے میں ضائع کریں، آج ہم کئی کئی گھنٹے غیر ضروری اور لایعنی چیٹنگ میں برباد کرتے ہیں، افسوس اس کا ہے کہ ہم لوگوں کو اس بربادی کا احساس تک نہیں ہوتا، موبائل فون کے حد سے بڑھے ہوئے استعمال سے طلبہ میں مطالعۂ کتب کا شوق کم سے کم ہوتا جارہا ہے، بہت سے بدقسمت طلبہ تو درسگاہوں کی پچھلی صفوں میں بیٹھ کر بھی موبائل سے کھیلتے نظر آتے ہیں، ایسے میں کیا خاک پڑھائی ہوگی اور کیا خاک استعداد بنے گی، دارالعلوم کا اقدام بہ ظاہر تو سخت نظر آتا ہے مگر اس طرح کے سخت اقدام کی بڑی ضرورت تھی، اب رہی یہ بات کہ اخراج کے علاوہ بھی کوئی دوسری سزا ہے یا نہیں، اس سلسلے میں تو ہمیں حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ کی یہ رائے زیادہ پسند ہے کہ طالب علم کا اخراج کرنا ایسا ہے جیسے کسی عضو بدن میں کوئی تکلیف ہو اور اس تکلیف کا علاج کرنے کے بجائے اس عضو کو کاٹ کر پھینک دیا جائے، طلبہ ہمارے نظام کے لیے ایسے ہیں جیسے بدن کے اعضاء، اگر یہ اعضاء کسی بیماری میں مبتلا ہوں تو ان کے علاج کی ضرورت ہے نہ کہ ان کو کاٹ کر پھینک دینے کی، ہاں اگر کوئی عضو بالکل ہی گل سڑ جائے اور اس کے زہریلے اثرات سے پورا نظام جسم متاثر ہونے لگے تب اسے کاٹ دینا ہی بہتر ہے، اگر اصلاح کی امید ہے تو آخری لمحے تک اصلاح کی کوشش ہونی چاہئے، جن دو بچوں کا اخراج ہوا ہے اگر ان کو ایک موقع اور دیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا، اخراج کے علاوہ بھی سزا دی جاسکتی تھی مثلاً سال لوٹایا جاسکتا تھا، یا ان کے لیے کوئی دوسری مناسب سزا تجویز کی جاسکتی تھی، صورت حال اس سخت ترین سزا کی متقاضی تھی یا نہیں اس کا فیصلہ ذمہ دار ہی کرسکتے ہیں، سو انھوں نے کیا، ہم تو اس سلسلے میں قاری صدیق احمد باندویؒ کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں اور ذمہ داران مدارس کو بھی اس کا مشورہ دیتے ہیں کہ وہ حضرت باندویؒ کی رائے پر عمل کریں۔

اصلاحی مضامین

مذہبی رواداری حدود دائرہ کار

مولانا انصار اللہ قاسمی*

دنیا میں کوئی بھی چیز اپنی حد اور دائرہ میں اچھی اور بھلی لگتی ہے، یہاں تک کہ خوشی اور مسرت کے موقع پر جب آدمی کے جذبات حد اور دائرہ سے نکل کر بے قابو ہو جائیں تو پھر یہی خوشی و مسرت کا موقع غم اور ماتم میں بدل جاتا ہے، مذہبی رواداری، ایک اچھی چیز اور بھلی بات ہے، مذہبی تشدد اور تعصب کے موجودہ ماحول میں اس کی اہمیت اور افادیت پہلے سے بڑھ کر ہے، لیکن دوسری چیزوں کی طرح مذہبی رواداری کی بھی ایک حد اور دائرہ ہے، اگر یہ حد اور دائرہ سے باہر ہو جائے تو بجائے فائدہ کے الٹا نقصان وہ ثابت ہوتی، اسلام افراط وتفریط سے پاک عدل اور اعتدال کا مذہب ہے، قرآن مجید میں مسلمانوں کو "امت وسط" فرمایا گیا، اس لئے مذہبی رواداری کے معاملہ میں اتنی زیادہ وسعت اور گنجائش نہیں رکھی گئی کہ مذہب کی حقیقت موم کی سی ہو جائے اور دین وشریعت "فٹ بال" بن جائے کہ جب چاہے، جدھر چاہے اور جیسا چاہا اچھال دیا، اور نہ اتنی سختی اور شدت رکھی گئی کہ تعصب اور فرقہ پرستی کو ہوا ملے، اسلامی تعلیمات میں غور وتدبر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں مذہبی آزادی اور اُس سے متعلق تمام حقوق کو وضع کرنے کے علاوہ مذہبی رواداری کے حدود وقیود بھی متعین کئے گئے ، ان حدود وقیود کو سمجھنے سے معلوم ہوگا کہ مذہبی رواداری کا موقع محل کیا ہے اور کیا ہونا چاہیے؟

چناں چہ "خدمت خلق" مذہبی رواداری اور بھائی چارگی کا سب سے بہترین موقع اور محل ہے، یہاں "وحدت ادیان" کی بنیاد پر نہیں بلکہ "وحدت آدم" کی بنیاد پر اسلام کی رفاہی وفلاحی تعلیمات ہیں، چناں چہ اسلام نے انسانیت کی فلاح وبہبودی کے متعلق اپنی تعلیمات اور ہدایات میں کسی خاص قوم، رنگ ونسل، مذہب وملت اور طبقہ وپیشہ کی کوئی تقسیم وتفریق نہیں کی، مثلاً: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری مخلوق کو اللہ کا کنبہ فرمایا اور مخلوق کے ساتھ جو اچھا برتاؤ کرے اس کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب قرار دیا: اَلخلُقُ عَیَالُ اللہِ فَاَحَبُّ الخلقِ مَنْ اَحسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کے لیے نفع رسانی کا کام کرے: خَیرُ النَّاسِ مَنْ یَّنفَعُ النَّاسَ پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

* آرگنائزر مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ وآندھرا

نے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان سے اچھے برتاؤ کی تعلیم و تلقین کی، اسی سلسلہ میں احادیث کی اہم مشہور اور مستند کتابوں میں مستقل ابواب ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ وہ شخص مؤمن و مسلمان نہیں جس کی ایذا رسانی اور تکلیف سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں، پڑوسیوں میں ظاہر ہے کہ مسلم اور غیر مسلم ہر مذہب کے پیرو کار بستے ہیں، اس لیے یہ اسلامی تعلیمات تمام پڑوسیوں کے لیے ہیں۔

انسانیت کی فلاح و بہبودی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی سے متعلق اسلام کی روشن تعلیمات صرف نظریاتی نہیں ہیں، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفائے راشدین اور مسلم حکمرانوں نے ان کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا، ایک یہودی کے گھر میں اس کا لڑکا بیمار ہوا، آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، دیکھا کہ لڑکا بالکل قریب المرگ ہے اور موت و زیست کی حالت میں ہے، آپ نے اس کو کلمۂ شہادت کی تلقین کی، لڑکے نے اپنے باپ کی طرف نظریں اٹھائیں، یہودی باپ نے لڑکے سے کہا: بیٹا! ابوالقاسم (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات مان لو، لڑکے نے کلمۂ شہادت پڑھا اور تھوڑی دیر بعد اس کی روح پرواز کرگئی، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشی کے عالم میں یہ کہتے ہوئے یہودی کے گھر سے باہر آئے کہ اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْقَذَہٗ مِنَ النَّارِ اللہ ہی کے لیے حمد و ثنا ہے جس نے لڑکے کو جہنم کی آگ سے بچا لیا، اس واقعہ میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑوسی ہونے کی حیثیت سے یہودی گھرانے کے ساتھ حسن سلوک کی عملی تعلیم دی، وہیں رسول اور پیغمبر ہونے کے ناطے اپنے فرض منصبی کو بھی پورا فرمایا اور دنیا میں کسی انسان کے لیے اس سے بہتر اور برتر بھلائی اور صحیح خیر خواہی کیا ہوسکتی ہے کہ اس کو ہدایت مل جائے اور وہ آخرت میں دوزخ کے عذاب سے بچ جائے، یہی تو انسان کی سب سے بڑی کامیابی ہے: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ۔ (سورۂ آل عمران: ۱۸۵)

پس انسانیت کی فلاح و بہبودی سے متعلق نیکی و تقویٰ اور خیر و بھلائی کے تمام کاموں اور سرگرمیوں میں اسلام نے مذہب و ملت کا کوئی فرق و امتیاز نہیں رکھا، رفاہی خدمات اور خیراتی کام ہی اصل میں مذہبی رواداری اور بھائی چارگی کا موقع و محل ہیں، اس لیے کہ ان میں انسان بحیثیتِ انسان دوسروں کے کام آتا ہے، وہ اپنے اندر کوئی مذہبی تحفظات نہیں رکھتا اور یہی وہ کام ہیں جن سے انسانوں کے دکھ درد کو سمجھا اور بانٹا جاسکتا ہے، مذہب و ملت سے پرے ہوکر ان کے ذریعہ قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے، اور یہ رفاہی خدمات باہمی تعاون اور تال میل کو قائم کرنے اور رکھنے میں مفید اور معاون ثابت ہوتی ہیں۔

اس کے برخلاف خالص مذہبی رسوم اور تہواروں میں شرکت کرنے والوں میں مذہبی رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی سے زیادہ اپنی شہرت و ناموری اور ریاکاری کا جذبہ ہوتا ہے اور سچی بات بھی ہے کہ جو شخص ان مواقع

پر اپنے مذہبی حدود کا پابند نہ ہو وہ اپنے مذہب کا مخلص اور خیر خواہ نہیں ہوسکتا، پس جس چیز کی وجہ سے دنیا میں اس کی شناخت قائم ہے اور ملّی تشخص باقی ہے، جب وہ اس کا خیر خواہ اور مخلص نہیں رہا تو پوری انسانیت کا مخلص کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لیے خالص مذہبی تہواروں اور تقاریب کے موقع سے رواداری اور بھائی چارگی کے نام نہاد مظاہرے رواداری نہیں بلکہ مذہب بیزاری اور مذہبی آوارگی کے نمونہ ہیں، خدا فراموشی اور خود فریبی کی مثالیں ہیں، ایک سچے اور پکے مسلمان کا یہ شیوہ اور شعار ہونا چاہیے کہ وہ جہاں بھی ہو، جس کے بھی ساتھ ہو اور جو بھی موقع ہو وہ توحید کا علمبردار اور ایک وحدہٗ لاشریک کا پرستار بن کر رہے، وہ با مسلمان اللہ اللہ تو رہتا ہی ہے، اس کو بابرہمن بھی اللہ اللہ ہی رہنا چاہیے نہ کہ رام رام۔

دنیا کے دوسرے مذاہب کے درمیان اسلام کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے، وہ اپنے عقائد ونظریات اور تعلیمات کے تعلق سے بہت ہی غیرت مند اور حساس واقع ہوا ہے، اس تعلق سے اسلام میں ذرّہ برابر بھی لچک نہ رکھی گئی اور نہ اس کو برداشت کیا گیا، چنانچہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ قوت اور شدت کے ساتھ شرک کی مذمت و برائی بیان کی گئی، شرک کے معاملہ میں ذرا بھی نرمی اور رواداری نہیں برتی گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ مکہ کے مشرکین آئے، اس وقت توحید کی دعوت علی الاعلان زوروں پر تھی، مشرکین مکہ نے آپ اکے سامنے یہ پیش کش رکھی کہ کچھ دن وہ اپنے جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ توحید کے مطابق ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں گے اور کچھ دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے معبودوں کی عبادت کریں، تاکہ روز روز کا جھگڑا و اختلاف ختم ہوجائے، اس پر سورۃ الکافرون نازل ہوئی، جس میں مشرکین مکہ کی اس پیش کش کو سختی کے ساتھ مسترد کردیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زبانِ مبارک سے اعلان کروایا گیا کہ اے نبی! کہہ دیجیے اے کافرو! تم جن کی عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کروں گا، صرف شرک ہی نہیں بلکہ جہاں شرک کا شبہ، شائبہ اور مشابہت پیدا ہوتی ہے اس کا بھی اسلام میں خاتمہ کردیا گا، مثلاً: نمازِ جنازہ، اس میں رکوع وسجود اس لیے نہیں رکھے گئے کہ اس سے میت کی عبادت و بندگی کا شبہ پیدا ہوتا ہے، اسی شرک کی ممانعت و مذمت کی بناء پر مجسمہ سازی سے روکا گیا، ایک معمولی اور چھوٹی سی نیکی اگر کی جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی رضاء و خوشنودی پیش نظر رہے تو یہ نیکی بھی منہ پر ماردی جاتی ہے، پس ایک غیرت مند شوہر کو اپنی ہرجائی بیوی پر جو غیرت آسکتی ہے خدا کی آتشِ غضب بندوں کے مشرکانہ اعمال وافعال پر اس سے زیادہ بھڑکتی ہے، اسی لیے صبح وشام کی زندگی میں لمحہ بہ لمحہ دعائیں سکھلائی اور دل نشین کرائی گئیں تاکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بڑائی و یکتائی اور اس کے اختیار واقتدار کا احساس باقی رہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے پیروؤں کی اپنی الگ شناخت و پہچان بنتی ہے، ان کا الگ ملی تشخص قائم ہوتا ہے، اسلام میں اس دینی و مذہبی پہچان اور ملی تشخص کی حفاظت پر بھی زور دیا گیا اور ہر ایسی چیز سے روکا گیا جو اس کے لیے خطرہ بنتی ہو، مثلاً ملی تشخص کو سب سے بڑا خطرہ کسی دوسری قوم اور مذہب سے مشابہت اختیار کرنے میں ہوتا ہے، بالخصوص مراسم عبودیت و بندگی میں ذرّہ برابر مشابہت اور شرکت سے کسی بھی شخص کی ملی شناخت شدید مجروح ہوتی ہے، چنانچہ اسلام میں سورج کے نکلنے، ڈوبنے اور نصف النہار پر ہونے کے وقت نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا گیا کہ اس سے دوسری قوموں سے مشابہت اور مماثلت ہے، جو ان اوقات میں عبادت و پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ (سنن نسائی باب النہی عن الصلوٰۃ بعد العصر) ماہِ محرم میں یوم عاشوراء کے موقع سے مسلمانوں کو دو روزے رکھنے کا حکم دیا گیا، تا کہ یہودیوں کی مخالفت ہو، کیوں کہ وہ ایک روزہ رکھتے تھے، ایک مرتبہ مسلمانوں نے موسمِ بہار کی آمد اور اس کے اختتام پر ایرانیوں کی طرح تہوار منانے کی اجازت چاہی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہیں دی۔ (مشکوٰۃ بحوالہ سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۱۴۳۹)

غور کرنے کا مقام ہے کہ جس دین و مذہب میں عقیدۂ توحید کی یہ نزاکت ہو کہ اس میں تھوڑی سی بھی لچک گوارہ نہیں اور مسلمانوں کے ملی تشخص کی یہ اہمیت ہو کہ اس میں ادنیٰ درجہ کی مماثلت اور مشابہت کی اجازت و گنجائش نہیں تو پھر یہ مسلمان کے لئے کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے تہواروں جو خالص مذہبی ہیں، جن کی جڑ میں مشرکانہ عقائد پیوست ہیں اور وہ اپنی اس شرکت کو مذہبی رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا نام دیں۔

پس جس مسلمان کو مذہبی رواداری کا موقع و محل، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا اسلامی تصور معلوم ہو اور عقیدۂ ایمان کی نزاکت اور اپنے ملی تشخص کی اہمیت کا احساس اس کو ہو تو وہ مذہبی تہواروں کے موقع سے رواداری و فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے نام نہاد مظاہروں اور ہنگاموں سے دور رہے گا، اس دوری کی وجہ سے کسی کے ناراض ہونے یا روٹھ جانے کا غم و افسوس بھی نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

لمحہ فکریہ

دخترانِ ملت ارتداد کے دہانے پر

مولانا سید احمد ومیض ندوی*

گزشتہ دنوں سیاست اخبار میں شائع ایک خبر کو پڑھ کر دل انتہائی مغموم اور غموں سے چور ہوا۔ اخبار بینی بہت سے افراد کا معمول ہے لیکن اکثر خبروں سے ہم سرسری طور سے گزر جاتے ہیں۔ بعض خبریں انتہائی المناک ہوتی ہیں اور بعض واقعات ایسے رونما ہوتے ہیں کہ حساس انسان دل پکڑ کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح بعض واقعات ملی حمیت اور اسلامی غیرت کو للکارنے والے ہوتے ہیں۔ نلگنڈہ کے ایک دیہات میں پیش آئے حالیہ واقعہ نے ہوش اڑا دیئے۔ تفصیلات کے مطابق نلگنڈہ کے تیرتی منڈل کے موضع ملے لاری گورام کی ساکن ایم ڈی آسیہ (حسینہ) اور اسی موضع سے تعلق رکھنے والے سرینواس کے درمیان عاشقی چل رہی تھی۔ شادی سے انکار پر آسیہ نے سرینواس کے مکان کے پاس احتجاج کا آغاز کیا تھا۔ دوسرے دن موضع کے ذی اثر افراد نے اس کی حمایت کرتے ہوئے پولیس میں شکایت کی۔ پولیس اسٹیشن طلب کرتے ہوئے موضع کی عوام کی موجودگی میں چھ ماہ قبل شادی کرادی۔ چھ ماہ کے اندر بیوی آسیہ حاملہ ہوئی جس پر شوہر نے فوری حمل ضائع کرنے پر زور دیا لیکن بیوی نے انکار کیا جس پر سرینواس شوہر جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔ بیوی (آسیہ) انکار کرتے ہوئے والدین کے مکان واقع ملے واری گوڈم چلی گئی۔ 19/ اگست کی شام کو مکان میں تنہا دیکھ کر شوہر سرینواس نے چاقو سے حملہ کر کے گلا کاٹ دیا، کچھ ہی دیر میں خون میں لت پت بیوی نے دم توڑ دیا۔

چند لمحوں میں آسیہ کی کہانی ختم ہوگئی، لیکن اس نے ملتِ اسلامیہ کے سر کو شرم سے جھکا دیا ہے۔ ہر وہ مسلمان جس کے سینے میں ملت کے لئے اور دینِ اسلام کے لئے دھڑکنے والا دل ہو اس واقعہ کو پڑھ کر ضرور مغموم ہوا ہوگا۔ مگر قارئین! اسلام اور مسلمانوں کی رسوائی کا سبب بننے والے اس قسم کے واقعات اب روز کا معمول بن چکے ہیں۔ مسلمان لڑکیوں کا غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ فرار ہو جانا، پھر اپنے دین و مذہب کو خیر باد کر کے ان سے شادی رچانا اب اس قدر عام ہو چکا ہے کہ ہر ماہ اس قسم کے متعدد واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ گزشتہ دنوں بھٹکل سے تعلق رکھنے والے ملک کے ایک معروف عالم دین مولانا الیاس ندوی نے اپنے

* استاذ حدیث دار العلوم، حیدر آباد

مضمون میں اس قسم کے واقعات کی جو تفصیل پیش کی ہے وہ انتہائی چونکا دینے والی ہے۔مولانا نے دہلی و اطراف کے تعلق سے جمعیت علماء سے وابستہ علماء کرام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پچھلے ایک سال میں دہلی واطراف میں پانچ سو سے زائد مسلم لڑکیاں غیر مسلموں کے ساتھ بیاہ کر کے اپنے گھر اور والدین سے فرار ہو چکی ہیں۔ جموں کشمیر کے دورہ میں مولانا شکیل ندوی نے انہیں بتایا کہ گزشتہ چند ماہ کے دوران ملک کے مختلف شہروں کی یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم آٹھ مسلم لڑکیاں اسلام سے دستبرداری کا اعلان کر چکی ہیں۔مولانا کے ایک عزیز نے انہیں بتایا کہ چند ماہ قبل قریب کی بستی کی دو مسلم طالبات نے اسلام کو خیر باد کہہ کر ارتداد کو گلے سے لگالیا ہے۔ گزشتہ ۸ر جولائی کے اخبارات میں شہر حیدرآباد میں سنگھ پریوار کی جانب سے چل رہی لو جہاد مہم کی ہوش ربا تفصیلات شائع ہوئیں۔آئی ٹی شعبہ میں دور دراز علاقوں میں ملازمت کر رہی مسلم لڑکیوں کو خصوصیت کے ساتھ نشانہ بنانے کی اطلاع دی گئی تھی۔اخبار کے مطابق دیگر ریاستوں میں بھی اس قسم کی مہم شدت کے ساتھ جاری ہے۔اخبار نے تصاویر کے ساتھ اس قسم کی کئی لڑکیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔مثلاً اڑیشہ بھوبنیشور روٹری لائن کی رہنے والی ایک ۳۲ سالہ لڑکی جو آئی ٹی حیدرآباد میں ملازمت کر رہی ہے اور گچی باولی میں مقیم ہے، ملازمت کے دوران جوبلی ہلز کے رہنے والے ایک غیر مسلم لڑکے سے اس کا عشق ہوگیا اور دونوں نے ۲۵ر اپریل ۲۰۱۸ء کو شادی کرنے کی غرض سے ضلع رنگا ریڈی کے رجسٹرار آفس میں درخواست دی۔اسی طرح رگھویندر کالونی رنگاریڈی کی مقیم ایک مسلمان لڑکی جو سافٹ ویر انجینئر بتائی جاتی ہے اور فی الحال شیخ پیٹ گلشن کالونی میں مقیم ہے، اس کا تعلق تریپورہ رام نگر کے متوطن غیر مسلم نوجوان سے ہوا جو فی الحال کنڈہ پور میں مقیم ہے۔ان دونوں نے بھی شادی کی غرض سے ۱۹ر جون ۲۰۱۸ء کو ضلع رنگاریڈی کے رجسٹرار آفس میں درخواست داخل کی ہے۔ایک اور واقعہ میں وینکٹ نگر گچی باؤلی کی مسلم لڑکی کا وجے واڑہ کے رہنے والے غیر مسلم نوجوان سے تعلق ہوا جو سافٹ ویر انجینئر بتایا جاتا ہے۔ان دونوں نے بھی رجسٹرار آفس میں شادی کی غرض سے درخواست داخل کی ہے۔یہ چند نمونے ہیں ورنہ میریج رجسٹریشن آفس کے نوٹس بورڈ کا جائزہ لیں تو وہاں اس قسم کی بہت سی تصاویر دیکھنے کو ملیں گی۔

اس قسم کے واقعات کا تسلسل کے ساتھ پیش آنا کیا ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں؟ آخر کب تک ہم خوابِ خرگوش سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے؟ کیا ہماری غیرت ملی کو سانپ سونگھ گیا؟ آخر کب تک ملت کی بیٹیاں اپنے دین وایمان کا سودا کرتی رہیں گی؟ اس تشویشناک صورتحال کا حل تلاش کرنے سے پہلے ان اسباب کی نشاندہی ضروری ہے جو اس قسم کے واقعات کا محرک بنتے ہیں۔

اس قسم کے واقعات کا بنیادی سبب دینی تعلیم وتربیت کا فقدان ہے۔ عام طور پر والدین اپنے بچوں کی دینی تربیت سے غافل ہوتے ہیں۔ بیشتر والدین اپنے بچوں کو اسکولوں میں داخلہ دلوا کر مطمئن ہوجاتے ہیں۔ گھریلو دینی ماحول وتربیت سے محروم لڑکیاں جب کالجوں کے مخلوط ماحول میں قدم رکھتی ہیں تو آسانی سے غیر مسلم لڑکوں کے دامِ فریب میں آجاتی ہیں۔ دین وایمان کی عظمت سے ناواقفیت انہیں کفر وشرک کی ظلمتوں میں ڈھکیل دیتی ہے۔ گھر میں پختہ دینی تربیت کا نظم ہو تو وہ کبھی دین وایمان کا سودا نہیں کرسکتی۔ والدین کو چاہئے کہ وہ اولاد کی دینی تربیت کی ذمہ داری بخوبی نبھائیں۔

اسکولوں اور کالجوں کا آزادانہ اور مخلوط ماحول بھی اس طرح کے واقعات کا ایک سبب ہے۔ اسلام میں مرد وخواتین کے اختلاط کو روکا گیا ہے۔ والدین کو چاہئے کہ وہ اپنی بچیوں کو مخلوط نظام تعلیم سے دور رکھیں۔ مسلمانوں کو ایسے کالجوں کے قیام پر توجہ دینا چاہئے کہ جہاں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے علحدہ نظم ہو۔

سیل فون کا بیجا استعمال بھی خوب تباہی مچا رہا ہے۔ کالجوں میں زیر تعلیم بچیاں سیل فون کے ذریعہ غیروں سے جلد رابطہ میں آجاتی ہیں۔ زیر تعلیم بچیوں کو اسمارٹ فون عطا کرنا والدین کی بڑی غلطی ہے۔ اسمارٹ فون دورِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ نئی نسل کے اخلاق پر وہ بڑے منفی اثرات ڈال رہا ہے۔ واٹس ایپ، فیس بک اور سوشل میڈیا کے دیگر ذرائع کا استعمال کرکے نئی نسل ہر قسم کی اخلاقی حدوں کو پار کررہی ہے۔

اس قسم کے بڑھتے ہوئے واقعات کا ایک سبب فرقہ پرست تنظیموں کی جانب سے چلائی جارہی مہم ہے۔ مختلف فرقہ پرست تنظیمیں نوجوانوں کو مسلمان لڑکیوں کو پھانسنے کے لئے مستقل ترغیب دیتی ہیں۔ گزشتہ ۲۰ رستمبر کو مغربی بنگال میں وی ایچ پی نے ہندو نوجوانوں کے لئے فرمان جاری کرتے ہوئے کہا کہ وہ مسلم لڑکیوں سے شادی کریں اور بعد میں ان کا مذہب تبدیل کرالیں۔ انڈیا ٹوڈے کی ایک رپورٹ کے مطابق وی ایچ پی کا کہنا ہے کہ ہندو نوجوانوں کو ان مسلم لڑکیوں سے شادی کرنی چاہئے جو ذہنی طور پر ہندو مذہب کے قریب ہیں اور انہیں ہندو دھرم کا حصہ بنانا چاہئے۔ مغربی بنگال میں باقاعدہ مہم کے تحت پمفلٹ تقسیم کئے جارہے ہیں جن میں ہندو خواتین کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ لو جہاد سے بچ کر رہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہندو خواتین کو بچاؤ اور مسلم خواتین کو پھنساؤ۔

ایک غیر مسلم نوجوان جس نے ایک مسلمان لڑکی کو اپنی گرل فرینڈ بنا رکھا ہے ایک مسلمان سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ ہندو تنظیموں کی پوری کوشش مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کو ان کے دین سے بدظن کرنا ہے، اس کے لئے ان تنظیموں نے بہت مضبوط لائحہ عمل بنایا ہے۔ شادی شدہ عورتوں کو طلاق، گھریلو مظالم اور آزادی

کے نام پر ورغلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مسلمان عورتوں سے پیسہ دے کر نقاب پہنا کر اسلام مخالف بیانات ریکارڈ کروائے جارہے ہیں اور انہیں سوشل میڈیا پر وائرل کیا جارہا ہے۔ مسلم لڑکیوں کو ورغلانے کے لئے بہت ہی خطرناک منصوبے کے تحت کام ہو رہا ہے۔ اس کے لئے باضابطہ نوجوان لڑکوں کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ انہیں خاص طور سے اردو زبان سکھائی جاتی ہے۔ لڑکیوں کے اندر جلد متاثر ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے لہٰذا جب وہ غیر مسلم لڑکوں کی زبان سے اردو زبان کے الفاظ اور اشعار سنتے ہیں تو فطری طور پر متاثر ہوتی ہیں اور یہیں سے ان کی بربادی کی داستان شروع ہو جاتی ہے۔ مذکورہ نوجوان نے بتایا کہ ہندو تنظیموں کی جانب سے ایک مسلمان لڑکی کو گمراہ کرنے کے عوض دو لاکھ روپئے کی پیشکش کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کی جاتی ہے کہ چھ مہینوں سے سال بھر کے اندر لڑکی کو اس حالت میں لا کھڑا کرنا ہے کہ وہ یا تو خودکشی کر لے یا سماج میں منہ دکھانے کے لائق نہ رہے۔ مذکورہ غیر مسلم نوجوان نے جن باتوں کا انکشاف کیا ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فرقہ پرست تنظیمیں مسلم لڑکیوں کو مرتد کرنے کے لئے کس قدر منصوبہ بند طریقہ پر سرگرم عمل ہیں۔

اس صورتحال کے سدِ باب کے لئے سب سے پہلے والدین کو احساس دلانا اشد ضروری ہے۔ والدین اس حقیقت کا ادراک کریں کہ اولاد کی ایمان سے محرومی کس قدر بدبختی کی بات ہے۔ جب تک والدین کو اس صورتحال کی سنگینی کا احساس نہیں ہوگا تب تک کوئی حل کارگر ثابت نہ ہوگا۔ دوسرا اہم کام نئی نسل کو بنیادی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کا ہے۔ اس کے لئے ہر محلہ اور ہر بستی میں مکاتب کا جال پھیلانا ضروری ہے۔ اس طور پر کہ مسلمان گھرانے کا کوئی بچہ دینی تعلیم سے محروم نہ رہے۔ کالجوں میں زیر تعلیم لڑکیوں کو دینی فکر سے آراستہ کرنے کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔ ایک شکل یہ ہے کہ کالج کا انتظامیہ اگر مسلمان ہو تو انتظامیہ سے منظوری لے کر ایک گھنٹہ دینیات کا رکھا جائے اور علماء کرام یہ خدمت انجام دیں۔ اس طرح ہر کالج میں علماء کرام کے اصلاحی بیانات اس سلسلہ میں مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ نیز کالجوں میں پڑھنے والے طلبہ وطالبات کے لئے آن لائن دینی کلاسس کا بھی نظم کیا جاسکتا ہے۔ گرمائی تعطیلات اور دیگر مواقع پر ایک ماہی یا چالیس روزہ سمر کیمپ کا اہتمام بھی مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ نئی نسل کو بنیادی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کی کوششوں کے ساتھ گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنا اشد ضروری ہے۔ دین وایمان کی کمزوری اور خوفِ الٰہی کا فقدان ہی آدمی کو غلط راستوں پر لے جاتا ہے۔ گھروں میں دینی ماحول تب ہوگا جب والدین خود دیندار اور خداترس ہوں گے۔ نیک ماں باپ ہمیشہ اولاد کی نیکی کے لئے فکرمند رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف بے دین والدین کو اولاد کی دینداری سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ ملت کے ہر فرد کو دخترانِ ملت کے ارتداد پر فکرمند ہونا چاہئے۔ وقت سے پہلے اگر فکر نہ کی جائے تو کل کو یہ فتنہ ہمارے گھروں کو دستک دے سکتا ہے۔

حفظانِ صحت

16 / اکتوبر عالمی یوم خوراک

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی

1945ء میں اقوام متحدہ کی تنظیم برائے خوراک وزراعت وجود میں آئی؛جس کی یاد میں ہرسال 16 / اکتوبر کو عالمی سطح پر"یوم خوراک" منانے کا فیصلہ کیا گیا،اس دن کو منانے کے بنیادی مقاصد میں، پوری دنیا کے اندر غذائی صورت حال اور زرعی مسائل کی طرف توجہ دہانی، غذائی مسائل حل کرنے اور پیداوار بڑھانے کے لئے قومی اور عالمی سطح پر تعاون کا فروغ نیز خوراک کے حوالے سے پائی جانے والی انسانی بے اعتدالیوں کے تئیں شعور بیداری اور پریشانیوں کے حل کے لئے اقدامات کی تجویز وغیرہ شامل ہیں۔اس دن کی مناسبت سے سرکاری اور نجی اداروں میں تقریبات منعقد کی جاتی ہیں اور ہر سال کسی خاص موضوع کا انتخاب بھی عمل میں آتا ہے سال گذشتہ عالمی یوم خوراک کا موضوع ''نقل مکانی کے مستقبل کو بدلیے! غذائی تحفظ اور دیہی ترقیات میں سرمایہ کاری کیجیے!'' تھا۔

خوراک اور زراعت کی تنظیم (ایف اے او) کا تخمینہ ہے کہ بھوک، افلاس اور غربت کے سبب تقریبا 763 ملین افراد اپنے ہی ملک کے اندر نقل مکانی کرتے ہیں۔علاوہ ازیں آب وہوا کی تبدیلی کے سبب خراب موسم میں اضافہ ہونے کی وجہ سے کاشتکاروں کو بہتر ذریعہ معاش کے مواقع ڈھونڈنے کے لیے نقل مکانی کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔اس طرح تقریبا ہندوستان کی ایک تہائی آبادی، مہاجر ہے۔

ہندوستان کی مردم شماری رپورٹ کے مطابق تقریبا 84 فیصد افراد اندرون ریاست نقل مکانی کرتے ہیں جب کہ تقریبا دو فیصد افراد بین ریاستی نقل مکانی پر مجبور ہوتے ہیں۔ملک کے مشرقی خطوں اور شمال مشرقی علاقوں سے بہت بڑی تعداد میں لوگ کام اور بہتر روزگار کے مواقع کی تلاش میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں نقل مکانی کرچکے ہیں،اس کے باوجود دنیا بھر میں اربوں لوگ بھکمری کا شکار اور فاقہ کشی پر مجبور ہیں۔

حیران کن اعداد وشمار:

صرف تین سال قبل کے اعداد وشمار کے مطابق دنیا میں اس وقت 2 ارب لوگ خوراک میں ضروری

* استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

وٹامنز اور منرلز کی دستیابی سے محروم ہیں۔ دنیا میں 5 سال تک کی عمر کا ہر چوتھا بچہ جسمانی نشو ونما کے مسائل کا سامنا کر رہا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ 165 ملین بچے ایسے ہیں جو غذائی کمی کا شکار ہونے کے باعث زندگی بھر اپنی بھرپور جسمانی اور ذہنی استعداد حاصل نہیں کر پائیں گے۔ دوسری طرف ایک ارب چالیس کروڑ لوگ زائد وزن کا شکار ہیں، جن میں ایک تہائی موٹاپے کی وجہ سے دل کے امراض، ذیابیطس اور صحت کے دیگر مسائل میں مبتلاء ہیں۔ یہ حقائق ترقی پذیر ممالک میں بسنے والی اقوام کے لئے لمحہ فکر یہ ہیں، جن کے سدباب کے لئے سنجیدگی سے سوچنے اور ہمہ جہت کوشش کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

معتدل خوراک

قدرت نے ہر ایک شے کو اعتدال میں رکھا ہے۔ جہاں خوراک کے اجزائے ترکیبی کی کمی ہمارے جسم میں مختلف بیماریوں کا باعث ہے، وہیں ان کا حد مقرر سے تجاوز بھی ہماری صحت کے لے نقصان دہ ہے۔ چکنائی کی زیادتی موٹاپے کا سبب ہے، جس کو بیماریوں کی جڑ قرار دیا جاتا ہے، جن میں سرفہرست دل کی بیماریاں ہیں۔ معدنیات کی زیادتی جگر اور گردوں کی بیماریوں کا باعث بنتی ہے؛ جبکہ حیاتیات کی زیادتی بھی مختلف پیچیدگیوں کا باعث ہے، مثلاً سر درد، قے کا آنا، جلد کی خرابی اور بھوک نہ لگنا وغیرہ۔

غذائیت سے بھرپور زندگی گزارنے کے لے ضروری ہے کہ متوازن غذا کا استعمال کیا جائے، متوازن غذا سے مراد ہے کہ ہم ایک ہی طرح کی خوراک کے متواتر استعمال سے پرہیز کریں۔ اچھی صحت کے لیے ضروری ہے کہ ہم مختلف اقسام کے پھل، سبزیاں، گوشت، مچھلی، دالیں، دودھ وغیرہ کا باقاعدگی سے استعمال کریں۔

ایک ہی طرح کی خوراک کے متواتر استعمال سے ہمیں صرف ایک ہی طرح کے غذائی اجزاء ملتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہمارے اندر کچھ اہم غذائی اجزاء کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ متوازن غذا کے پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے ماہرین خوراک اور طب کے شعبہ سے منسلک افراد مختلف قسم کے غذائی چارٹ بنا کر دیتے ہیں؛ جن پر عمل کرنے سے ہم ایک متوازن زندگی گزار سکتے ہیں نیز ان پر باقاعدہ عمل کے نتیجے میں مختلف بیماریوں پر زیادہ بہتر طریقے سے قابو پایا جا سکتا ہے۔

اسلام میں متوازن غذا کا تصور:

صحت کی بقاء ودوام کے لئے غذا بہت اہمیت کی حامل ہے؛ لیکن غذا ایسی ہونی چاہیے جو صحت کے لیے مفید ہو؛ جس کے لیے ایسی چیزوں کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے جو صحت اور تندرستی کے لیے نقصان دہ ہوں حفظانِ صحت میں خوراک، ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ متوازن خوراک سے انسان کی صحت

برقرار رہتی ہے۔ وہ مناسب طور پر نشو ونما پاتا ہے اور دیر تک محنت کی قابل رہتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن نے صرف تین جملوں میں طب قدیم اور طب جدید کو سمیٹا ہوا ہے، ارشادِ خداوندی ہے: ”کھاؤ، پیو اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو۔“ (الاعراف) یہ تینوں وہ مسلمہ اصول ہیں جن میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

کھانا پینا، زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، اس کے بغیر انسان زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ اپنے فرائض منصبی سے بہ طریقِ احسن عہدہ برآ ہوسکتا ہے، البتہ اس میں اعتدال سے کام لینا صحت کے لیے ضروری ہے۔ نہ کھانے، یا ضرورت سے کم کھانے سے جسمِ انسانی بیمار پڑ جاتا ہے، جبکہ ضرورت سے زیادہ کھانے سے معدہ پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ پڑتا ہے اور معدہ کی خرابی تمام امراض کی جڑ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ”معدہ بدن کے لیے تالاب ہے اور رگیں اسی کی طرف جسم کے مختلف حصوں سے وارد ہیں، جب معدہ صحیح حالت میں ہو تو رگیں بھی جسم کے تمام حصوں کو صحت (صحیح خون) مہیا کرتی ہیں اور جب معدہ بیمار پڑ جائے تو اس سے رگوں کے ذریعے تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ (طبرانی، المعجم الاوسط)

قدیم عربوں کے مشہور طبیب حارث بن کلدہ کا قول ہے: ”پرہیز دوا کا سر (بنیاد) ہے اور معدہ بیماری کا گھر ہے، ہر شخص کو وہ چیز کھانی چاہیے؛ جو اس کے بدن کے مطابق ہو، اور کم خوراکی بہ ذاتِ خود ایک علاج ہے۔“ اکثر امراض کا سبب ناقص غذا یا اس کا غیر مناسب طریقہ استعمال ہے، اگر غذا ضرورت کے مطابق اور انسانی مزاج کے مناسب ہو اور ضرورت سے زائد نہ ہو تو انسان زیادہ دیر تک بہت سارے امراض سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آدابِ طعام یعنی کھانے پینے کے سلسلے میں بھی بھرپور ہدایات امت کو عطا فرمائی ہیں، حفظانِ صحت کے تمام اصول آپ کے بتائے ہوئے کھانے کے طریقے کے مطابق ہیں اور آپ کے ہر ارشاد میں طبی فلسفے مضمر ہیں۔ احادیث کی کتابوں میں آداب الطعام پر مستقل عنوانات موجود ہیں؛ جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصولِ صحت کا کتنا خیال رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے ارشادات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

آدابِ طعام:

1۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت سادہ، نرم، زود ہضم، مرغوب اور مانوس غذا استعمال فرماتے تھے۔ کدو، گوشت، مکھن، دودھ، جو اور گندم کی بغیر چھنے آٹے کی روٹی، شہد، سرکہ، نمک، زیتون کا تیل اور کھجور وغیرہ آپ کی مرغوب غذائیں تھیں۔ یہ وہ غذائیں ہیں؛ جن کی افادیت پر تمام اقوام عالم متفق ہیں۔ ہر ملک اور ہر موسم میں ان کا استعمال مفید اور صحت بخش ہے۔

2۔کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے اور کھانا کھا کر یہ دعا پڑھتے: (ترجمہ) اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا ہے۔'' کھانے سے قبل اور بعد ہاتھ دھویا کرتے۔

3۔جب تک کھانے کی اشتہاء نہ ہوتی، کبھی نہ کھاتے، اور ابھی اشتہاء باقی ہوتی کہ کھانا ختم کردیتے۔

4۔کھانے کے فوراً بعد سونا پسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ چہل قدمی کرتے یا نماز پڑھتے۔

5۔تکیہ لگا کر کھانا کھانا پسند نہ فرماتے، کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ تکیہ لگانے سے معدہ کی حالت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ کھانا اچھی طرح بہ آسانی اپنی جگہ نہیں پہنچتا اور ہضم ہونے میں دیر لگتی ہے۔

6۔تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے۔

7۔گرم اور سرد اور دیگر متضاد اثر والی غذاوں کو جمع نہیں فرماتے تھے اور موسموں کے مطابق غذا کا استعمال فرماتے تھے۔

8۔کئی دنوں تک مسلسل ایک ہی قسم کی غذا نہیں کھاتے تھے؛ بلکہ اس میں مناسب تبدیلی لاتے تھے۔

9۔کھانا کھانے میں عجلت سے کام نہیں لیتے تھے، آہستہ آہستہ اطمینان کے ساتھ کھاتے تھے۔

10۔بیٹھ کر کھاتے تھے، بیٹھنے کا انداز عاجزانہ اور متواضعانہ تھا۔آپ دوزانوں ہو کر تشریف رکھتے اور اپنے قدموں کی پشت پر بیٹھتے یا دایاں قدم کھڑا کرکے، بائیں قدم پر تشریف رکھتے تھے۔

11۔گرم کھانے میں پھونک نہیں مارتے تھے اور نہ گرم گرم تناول فرماتے تھے، بلکہ اس کے موافق ہونے تک انتظار فرماتے۔گرم کھانا معدے کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے اور اس کے بعد ٹھنڈا پانی پینے سے دانتوں کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

12۔ہمیشہ آپ سامنے سے کھانا کھاتے تھے اور وہی کھاتے جو آپ کے قریب ہوتا۔

13۔آپ نے کبھی بھی کھانے میں عیب نہیں نکالا اور نہ کبھی اس کی مذمت کی؛ کیونکہ یہ رزق کی بے عزتی اور توہین ہے۔اگر کھانا پسند ہوتا تو تناول فرماتے، ورنہ چھوڑ دیتے۔

14۔ایسی سبزیوں کے کھانے سے پرہیز کرتے جن کی بو سے دوسروں کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو......مثلاً کچی پیاز، لہسن یا دیگر بدبودار اشیاء؛ البتہ ان چیزوں کو پکا کر کھالیتے یا کھانے کے بعد منہ اچھی طرح صاف کرلیتے یا کوئی ایسی چیز کھالیتے؛ جس سے اس کی بدبو ختم ہوجائے۔

غذا میں تین اوصاف ہونے چاہیے!

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ غذا استعمال فرماتے تھے جس میں تین اوصاف ہوتے:

1) قوائے جسمانی کے لیے مفید ہو۔ 2) معدے کے لیے خفیف اور نرم ہو۔ 3) جلد ہضم ہونے والی ہو۔ (زادالمعاد، کتاب الطب)

ان تمام آداب سے غذا سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفاستِ طبع اور حسنِ انتخاب کا پتہ چلتا ہے، اور ان کے اثرات جسمِ انسانی پر دیرپا اور مفید ظاہر ہوتے ہیں اور صحت وصفائی کے ساتھ ان کا گہرا ربط معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام:

اگر آج بھی متوازن اور سادہ غذا کا استعمال اپنی روزمرہ کی زندگی میں شامل کیا جائے، مغربی امپورٹڈ غذاؤں، فاسٹ فوڈز اور دیگر کیمیکلز سے بننے والی اشیاء سے گریز کیا جائے تو بہت سے امراض پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ عالمی سطح پر ''یومِ خوراک'' منانے والے حفظانِ صحت کے ان اصولوں کو ساری دنیا میں عام کریں کہ انسانیت صحت مند زندگی بسر کرسکے؛ پوری دنیا اِسے اپنائے یا نہ اپنائے لیکن امتِ مسلمہ تو اپنے سب سے بڑے محسن وخیر خواہ کی ان انمول ہدایات کو اپنی خیر خواہی کے لئے اپنالیں تو عائلی واقتصادی زندگی کے بے شمار فوائد حاصل کرسکتی ہے۔

جو سوال سے بچے گا اللہ اس کو غیب سے عطا کرے گا

دربارِ نبوت میں آج وقفہ وقفہ سے کئی انصاری صحابہ آتے رہے اور اپنی ضروریات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کی ضرورتیں پوری کیں، یہاں تک کہ آپ کے پاس موجود پورا مال ختم ہوگیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین مجلس کو مخاطب کرکے فرمایا: اگر میرے پاس مزید مال ہوگا تو وہ بھی میں تم کو ضرور دوں گا، تم سے اٹھا کر نہیں رکھوں گا، لیکن سنو! تم میں سے جو شخص بندوں سے سوال سے بچنا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کو غیب سے عطا فرمائے گا، اسی طرح جو صبر کرنا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کو صبر کی توفیق عطا فرمائے گا اور جو شخص لوگوں سے بے نیاز ہونا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کو بندوں سے بے نیاز کردے گا۔

یاد رکھو! تمھیں دی گئی اللہ کی نعمتوں میں صبر سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الرقاق: ۶۴۷۰)

(مجالس نبوی: صفحہ: ۶۶، مرتبہ مولانا الیاس ندوی بھٹکلی)

گوشۂ اطفال

اسلام کے روشن ستارے

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک تھیلی میں چار سو دینار (سونے کے سکے) بھرے اور غلام سے کہا: یہ تھیلی ابوعبیدہ بن جرّاحؓ کے پاس لے جاؤ اور انھیں دے کر کچھ دیر کے لئے وہیں رُک جاؤ اور دیکھو کہ وہ ان دیناروں کا کیا کرتے ہیں؟ پھر مجھے آکر بتاؤ۔ غلام وہ تھیلی لے کر حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس پہنچا اور کہا: امیر المؤمنین نے یہ دینار آپ کو اپنی ضروریات میں خرچ کے لئے دیے ہیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے تھیلی لیتے ہوئے جواب دیا: اللہ تعالیٰ انھیں بہتر بدلہ دے اور ان پر رحمتیں نازل کرے، اس کے بعد اپنی باندی کو بلا کر کہا: لو، یہ سات دینار فلاں کو دے آؤ، پانچ فلاں کو اور پانچ فلاں کو، یہاں تک سارے کے سارے دینار انھوں نے مختلف آدمیوں کے پاس بھیج کر ختم کر دیے۔

غلام نے آکر حضرت عمرؓ کو سارا واقعہ سنایا، حضرت عمرؓ نے اسی جیسی ایک اور تھیلی تیار رکھی تھی، یہ تھیلی بھی غلام کے حوالے کر کے کہا: جاؤ، یہ معاذ بن جبلؓ کو دے آؤ اور جو کچھ وہ کریں وہ بھی مجھے بتاؤ۔

غلام حضرت معاذؓ کے پاس پہنچا اور کہا: امیر المؤمنین نے یہ دینار آپ کو دیے ہیں اور کہا کہ اسے آپ اپنی ضروریات میں خرچ کرلیں۔ حضرت معاذؓ نے تھیلی وصول کرلی اور دعا دی کہ اللہ اُنھیں بہترین بدلہ دے اور ان پر رحمت بھیجے، یہ کہہ کر انھوں نے باندی کو آواز دی کر کہا: اتنی رقم فلاں کے گھر پہنچا دو، اتنی فلاں کے گھر اور اتنی فلاں کے پاس۔ اتنے میں حضرت معاذؓ کی بیوی نے پردے کے پیچھے سے جھانک کر کہا: خدا کی قسم! ہم بھی ضرورت مند ہیں کچھ ہمیں بھی دے دیجئے، حضرت معاذؓ نے تھیلی کو ٹٹولا تو اس میں صرف دو دینار بچے تھے، یہ دو دینار انھوں نے اپنی بیوی کو دے دیے۔

غلام حضرت عمرؓ کے پاس لوٹ کر آیا اور انھیں سارا قصہ سنایا۔ حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے اور کہا: یہ سب بھائی بھائی ہیں اور سب کے سب اسلام کے روشن ستارے ہیں۔

پیارے بچو! صحابہؓ سب کے سب اسلام کے روشن ستارے تھے، بلند اخلاق کے مالک تھے، ضرورت مندوں کا بڑا خیال رکھتے تھے، کہیں سے کوئی چیز آتی تو پہلے غریبوں کی ضرورت میں خرچ کرتے، پھر اپنی ضرورت پوری کرتے۔ ہمیں بھی غریبوں اور ضرورت مندوں کا خوب خیال رکھنا چاہیئے۔

نقد وتبصرہ

نام کتاب: روحِ قرآن

مصنف: مولانا غیاث احمد رشادی

عنوان: قرآن کریم کی مضامینی فہرست، صفحات: 1360

قیمت: -/500 علماء کے لئے -/300

ناشر: منبر ومحراب فاؤنڈیشن انڈیا

مبصر: مدیر محترم حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ العالی

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی عظیم کتاب ہے، یہ کتاب کوئی ایک علم نہیں جامع العلوم ہے، عقیدوں سے لے کر عبادات تک، معاملات سے معاشرت تک، اور اخلاقیات سے لے کر سیاسیات تک نہ جانے انسانی ضرورت کے کتنے عنوان ہیں، قرآن کریم کا اعجاز یہ ہے کہ وہ ان تمام عنوانات کو شامل اور ضرورتوں کے لئے کافی ہے، بہ شرطے کہ اُسے تعلیماتِ نبویہ کے سہارے سمجھا جائے، یہ کتاب اسلام کی اساس و بنیاد ہے اس لئے ہر مسلمان کی بھی بنیادی ضرورت ہے، اس کو صحیح پڑھنا، صحیح سمجھنا، اس کے اوپر صحیح طریقے سے عمل کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

چوں کہ یہ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کی ضرورت ہے اس لئے علماءِ اسلام نے اس کتاب کی بے نظیر خدمات انجام دی ہیں، کسی جامع لائبریری میں جا کر ''قرآنیات'' پر ایک سرسری نظر بھی ڈال لی جائے تو عقل انسانی حیران رہ جائے گی کہ کس کس طرح مسلمانوں نے اپنے رب کی اس کتاب کی خدمت کی ہے اور چودہ سو سال گذرنے کے بعد بھی کر رہے ہیں، اور ان شاء اللہ تا قیامت کرتے رہیں گے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے'' نہ اس کے عجائبات ختم ہونے والے ہیں اور نہ ہی اس کی تشنگی مٹنے والی ہے''۔

زیر تبصرہ کتاب بھی اسی خدمتِ قرآنی کی ایک مضبوط کڑی ہے، اس کے مصنف برادرِ محترم مولانا غیاث احمد رشادی زید مجدہٗ صدر صفا بیت المال انڈیا ہیں، موصوف کو اللہ تعالیٰ نے عزم کی پختگی اور ارادوں کو انجام تک پہونچانے کا خاص سلیقہ وحوصلہ عطا فرمایا ہے، یہ کتاب ان کی تحریری کاوش کا نقشِ اول ہے، جس میں انہوں نے قرآن کریم کی تعلیمات کو عنوان وار جمع کرنے کی مبارک سعی کی ہے، جو ایک سو تین عنوانات پر مشتمل ہے، یہ کتاب پہلے متعدد جلدوں پر مشتمل تھی اب مزید اہتمام کے ساتھ یکجا چھاپی گئی ہے، اہلِ علم کے لئے بالخصوص مفید ہے۔

امید ہے کہ علماءِ کرام اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے، اللہ تعالیٰ مصنف گرامی کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آمین وصلی اللہ علی سیدنا النبی الکریم

فقہ وفتاویٰ

حادثاتی اموات سے متعلق چند احکام

ادارہ

صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ برآمد ہوا

مسئلہ: اگر کسی میت کی لاش اس حال میں پائی گئی کہ اس کا گوشت پوست سب پارہ پارہ ہو چکا ہے اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ موجود ہے تو اس ڈھانچہ کو کفنانے اور سنت کے مطابق کفن پہنانے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ اس پر نماز جنازہ پڑھے بغیر کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفنا دیا جائے۔ (بدائع الصنائع: ۲/۲۹)

لاش پھول پھٹ جائے

مسئلہ: اگر میت کی لاش اس حال میں برآمد ہوئی کہ وہ بالکل پھول چکی تھی اور ہاتھ لگانے کے قابل بھی نہ تھی تو اس لاش پر اوپر سے پانی بہا کر غسل دے دیا جائے گا اور پھر حسبِ دستور کفن دفن اور نمازِ جنازہ کا اہتمام کیا جائے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۱/۱۵۸)

حالتِ احرام میں وفات

مسئلہ: جس شخص کو حج یا عمرہ کے احرام کی حالت میں وفات ہو جائے تو اس کو بھی عام مردوں کی طرح تجہیز و تکفین کی جائے گی اور خوشبو وغیرہ لگائی جائے گی۔ (گویا محرم کے لئے خوشبو وغیرہ کی ممانعت صرف زندگی تک ہے)۔ (حلبی کبیر: ۵۸۲)

ملبے کے نیچے دب جانے والے کی نمازِ جنازہ

مسئلہ: اگر عمارت منہدم ہونے یا زلزلہ کی وجہ سے کوئی شخص ملبہ میں دب جائے اور کوشش کے باوجود اسے زندہ نہ نکالا جاسکے تو جب تک یہ گمان غالب ہو کہ اس کی لاش پھولی پھٹی نہ ہوگی اس کی نمازِ جنازہ اوپر سے پڑھی جاسکتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۲۱۱)

(ماخوذ از: کتاب المسائل ج:۱ ص:۵۶۰، ۵۶۱)

خبرنامہ

عالمِ اسلام کی خبریں

✷ دہشت گردی سے نمٹنے کے نام پر تعلیمی کیمپوں میں حراست میں رکھے گئے یغور مسلمانوں کو رہا کیا جائے، جن کی تعداد ۱۰/لاکھ ہے۔اقوامِ متحدہ کا چین سے مطالبہ۔ (روزنامہ اعتماد، ا/ستمبر ۱۸ء)

✷ پاکستان میں فلموں کے فُحش اشتہارات پر وزیر اطلاعات فیض الحسن چوہان کی طرف سے پابندی۔ (روزنامہ اعتماد، ا/ستمبر ۱۸ء)

✷ پاکستان کے احتجاج کے بعد ہالینڈ کے گستاخانہ خاکوں کا مقابلہ منسوخ۔ (روزنامہ اعتماد، ا/ستمبر ۱۸ء)

✷ عالمی تجارت پر ڈالر کی حاکمیت کو ختم کرنے کی ضرورت؛ طیب اردگان (روزنامہ اعتماد، ۳/ستمبر ۱۸ء)

✷ فلسطینی بچوں کو اسرائیلی جیلوں میں تشدد کا سامنا۔ (روزنامہ اعتماد، ۵/ستمبر ۱۸ء)

✷ ڈنمارک میں ایک مسلم خاتون پر نقاب اوڑھنے پر جرمانہ۔ (روزنامہ اعتماد، ۷/ستمبر ۱۸ء)

✷ قطر کا تارکینِ وطن کو شہریت دینے کا فیصلہ۔ (روزنامہ منصف، ۷/ستمبر ۱۸ء)

✷ امریکی امداد بند کرنے سے ۱۰/لاکھ فلسطینی غذائی قلت کا شکار۔جمال الخضری (روزنامہ اعتماد، ۷/ستمبر ۱۸ء)

✷ شامی شہر اِدلب پر حملے کی قیمت پوری دنیا کو چکانی ہوگی: اردگان (روزنامہ منصف، ۱۲/ستمبر ۱۸ء)

✷ امریکہ میں نماز کی وجہ سے برطرف 138 ملازمین کو دیڑھ کروڑ ڈالر ہرجانہ ادا کرنے کا فیصلہ۔ (روزنامہ اعتماد، ۱۷/ستمبر ۱۸ء)

✷ یمن میں پچاس لاکھ سے زائد معصوم بچے قحط سے دو چار۔ (روزنامہ منصف، ۲۰/ستمبر ۱۸ء)

✷ سعودی عرب میں پہلی بار خاتون کو مرد کے ساتھ خبر پڑھنے کی اجازت۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۳/ستمبر ۱۸ء)

✷ سوئٹزرلینڈ کے ایک اور صوبہ میں برقعہ پر پابندی۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۵/ستمبر ۱۸ء)

✷ بیت المقدس کا تشخص مٹانے کی سازش کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔شاہ عبداللہ اردن (روزنامہ اعتماد، ۲۷/ستمبر ۱۸ء)